سرمایۂ تاریخ

www.KitaboSunnat.com

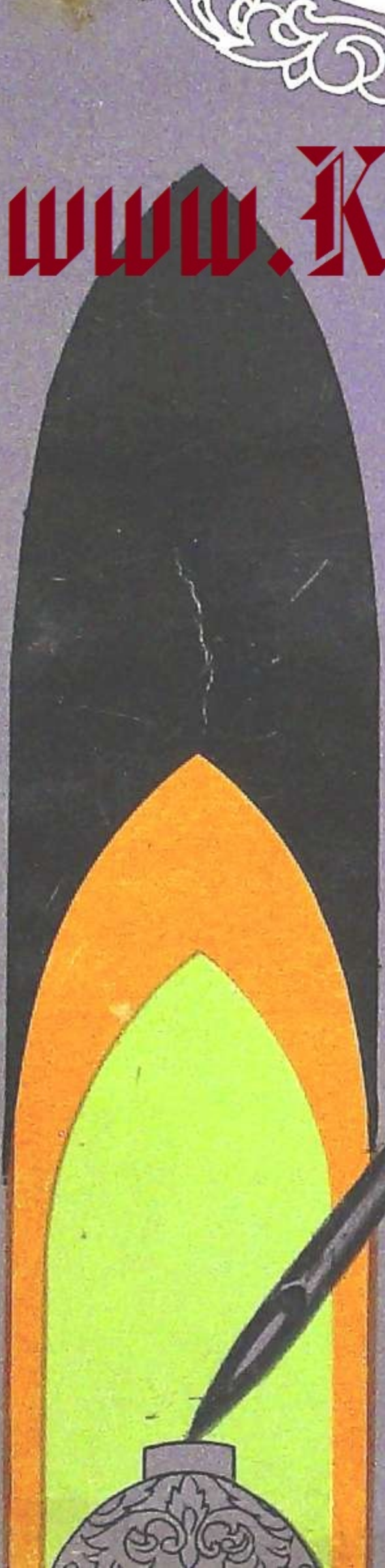

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام

محدث لائبریری

کتاب وسنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- **کتاب وسنت ڈاٹ کام** پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- **مجلس التحقیق الاسلامی** کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- **دعوتی مقاصد** کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے

کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

library@mohaddis.com

www.KitaboSunnat.com

سرمایۂ تاریخ

پروفیسر سعید اختر

www.kitabosunnat.com

ڈوگر سنز
۱۷- اردو بازار، لاہور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

سرمایۂ تاریخ

مصنف : پروفیسر سعید اختر صاحب

ناشر : طارق محمود ڈوگر - ایم - اے

کاتب : محبوب احمد

طابع :

مطبع : زاہد بشیر پرنٹرز - لاہور

تعداد : ایک ہزار ۱۰۰۰

قیمت : آٹھ روپے ۸/-

اپریل ۱۹۸۲ء

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

نذرانۂ شوق

فطرت نے تجھے دیدۂ بینا بخشا
احساسِ غمِ ملت بیضا بخشا
اور اِس سے بڑی دولتِ عُظمیٰ کیا ہے
اِدراک کی دولت کا خزانہ بخشا

○

اک راہروِ وادیٔ طیبہ کہیے
اسلام کا وارفتہ و شیدا کہیے
سرمایۂ جاں حُبِّ رسُولِ اکرم
دلدادۂ سرکارِ مدینہ کہیے

حبیبؔ الحیشی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

○

سرکارِ دو عالم کا یہ دیوانہ ہے
اور شمعِ رسالت کا یہ پروانہ ہے
ہے گردشِ افلاک کی زد میں لیکن
زیر و بم حالات سے بیگانہ ہے

○

افکار کا بہتا ہُوا دریا کہیے
الفاظ و معانی کا سفینہ کہیے
کیا صاحبِ موصوف کی تعریف کریں
گر کہیے تو یکتائے زمانہ کہیے

حبیب الحبیشی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

فہرست مندرجات

(الجزء الاول)

	تقریظ و تقدیم	۹ تا ۱۶
۱	محمد علی بن حامد کوفی	۱۹
۲	حسن نظامی	۲۴
۳	سدید الدین عوفی	۲۸
۴	قاضی منہاج الدین سراج	۳۱
۵	امیر خسروؒ	۳۵
۶	ابن بطوطہ	۴۲
۷	ضیاء الدین برنی	۴۸
۸	علامہ شمس سراج عفیف	۵۴

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

فہرست مندرجات

(الجزء الثانی)

۱	محمد ظہیر الدین بابر	۶۱
۲	غیاث الدین خواندامیر	۶۶
۳	جوہر آفتابچی	۷۰
۴	شہزادی گلبدن بیگم	۷۵
۵	ابوالفضل	۷۹
۶	مُلّا احمد ٹھٹھوی (وغیرہ)	۸۶
۷	شیخ عبدالقادر بدایونی	۹۰
۸	محمد قاسم فرشتہ	۹۵
۹	مُلّا عبدالباقی	۱۰۰

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

۱۰	نورالدین جہانگیر	۱۰۵
۱۱	میرزا محمد شریف	۱۱۰
۱۲	عبدالحمید لاہوری	۱۱۳
۱۳	مولوی محمد صالح کنبوہ	۱۱۷
۱۴	منشی محمد کاظم	۱۲۴
۱۵	محمد ساقی مستعد خان	۱۲۷
۱۶	اورنگ زیب عالمگیر	۱۳۲
۱۷	محمد ہاشم علی خان	۱۴۱
۱۸	غلام حسین طباطبائی	۱۴۸
	ضمیمہ	۱۵۳
	آخذ و منابع	۱۵۵

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مکرمی و مخدومی پروفیسر سعید اختر کی نذر

جواں ہمت سعید اختر ہمارا
مصائب میں کبھی ہمت نہ ہارا

طبیعت گلستاں در گلستاں ہے
ہے بے شک دامن دل پارا پارا

رہی پیش نظر منشائے باری
کیا اک اک ستم ہنس کر گوارا

سعید اختر محبت کی علامت
سعید اختر وفا کا استعارا

فروغ دیں شعارِ زندگی ہے
نہیں آسائشِ گیتی گوارا

خُدا محفوظ رکھے گردشوں سے
سعید اختر کی قسمت کا ستارا

گلہ تنویر کیا کیجے کسی سے
کسی کو کون دیتا ہے سہارا

○

میاں تنویر قادری فیصل آباد

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

تقریظ

ارباب دانش و بینش کی نگاہوں سے یہ امر مخفی نہیں کہ برصغیر پاک و ہند میں اسلام کی نمود اور مسلمانوں کے ورود سے پہلے فن تاریخ ناپید تھا ہندو علماء اور فضلاء نے علم کی اس اہم شاخ کی طرف کوئی توجہ نہ دی اور نہ ہی اس دور میں مدرسوں، مکتبوں اور پاٹ شالاؤں میں اس مضمون کی تعلیم و تدریس کا کوئی انتظام کیا گیا چنانچہ علم اجتماعیات کا ممتاز ماہر موسیو لیبان لکھتا ہے "فن تاریخ کے لیے ہندوؤں کا ذہن ناموزوں معلوم ہوتا ہے بلاشبہ آریہ ورت انسانیت کا قدیم ترین گہوارہ ہے اگر اس سرزمین کے ارباب علم میں انسانی کارناموں کی روداد محفوظ کر لینے کا ذوق سلیم ہوتا تو ہندوؤں کے بہت سے عقائد ہمارے لیے چیستاں نہ بنتے اور ہندوستان کی سرگذشت سننے کے لیے ہمیں یونان اور چین کے سیاحوں کی طرف رجوع نہ کرنا پڑتا۔ سوئے اتفاق کہ ہندوستان کے قدیم احوال سے وثوق و آگہی حاصل کرنے کے لیے ہمارے پاس کوئی علمی ذرائع موجود نہیں۔ ویدوں کے کہنہ اوراق، منوشاسنر کی قانونی دفعات، مہابھارت کے خونچکاں صفحات، رامائین کی الم انگیز داستانیں اور اپنشد کی پیاری پیاری باتیں۔ ان میں سے کوئی سرمایہ علم ہمیں ہندوستان کی قدیم تاریخ سے کماحقہ آگاہ نہیں کرتا۔

اور یہ بھی ایک مسلم حقیقت ہے کہ برصغیر پاک و ہند میں فرزندان اسلام نے پہلی مرتبہ فن تاریخ کو لائق التفات سمجھا۔ سلاطین دہلی کے دور میں مسلمان علماء اور فضلاء نے اس مہتم بالشان فن کی بنیاد ڈالی۔ جبکہ تاریخ کا یہ پودا سلاطین مغلیہ کے دور میں پروان چڑھا اور برگ و بار لایا اور تاریخ نویسی اور سوانح نگاری کے فنون کو ایسا عروج ملا جس کی نظیر انسانی تاریخ میں شاید ہی ملے۔

مسلمان قوم کی دیکھا دیکھی اور علم پرور مسلمان حکمرانوں کی زیر سرپرستی ہندوؤں میں تاریخ نویسی کا ذوق ابھرا اور انہوں نے بھی اس فن میں بقدر ہمت و ظرف حصہ لیا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

چنانچہ سید سلیمان ندوی نے اپنی تصنیف میں "ہندوؤں کی تعلیم مسلمانوں کے عہد میں" صرف ڈھائی سو برس کے سینتالیس ہندو مؤرخوں کے مختصر سوانح حیات قلم بند کیے ہیں۔ جنہوں نے تاریخ نویسی کے میدان میں داد تحقیق دی۔ ظاہر ہے کہ علامہ موصوف نے سب غیر مسلم مؤرخوں کے ناموں کا استقصاء نہیں کیا۔

زیر نظر تصنیف "ہمارا سرمایۂ تاریخ" پروفیسر سعید اختر صاحب کے رشحات قلم کا نتیجہ ہے۔ اس سے پہلے پروفیسر صاحب کی تالیف "مسلمان تاریخ نویس" شائع ہو چکی ہے اور علمی و ادبی حلقوں سے بھرپور خراجِ تحسین حاصل کر چکی ہے۔

اب صاحب موصوف نے برِصغیر پاک و ہند کے علمی سرمائے کو پوری طرح کھنگالنے کے بعد ممتاز مسلمان مؤرخوں اور سوانح نگاروں کے حالاتِ زندگی اور علمی خدمات کا ناقدانہ جائزہ پیش کیا ہے۔ صاحب موصوف اختصار نویسی کے فن میں ید طولیٰ رکھتے ہیں اور انہیں کم سے کم الفاظ میں زیادہ سے زیادہ معانی و مطالب بیان کرنے میں کمال حاصل ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے حقیقت نگار قلم سے اور اپنے مخصوص اسلوب میں تقریباً ڈیڑھ سو صفحات میں وسیع ذخیرۂ معلومات سمیٹ لیا ہے۔

امید کی جاتی ہے کہ یہ علمی شہ کار نہ صرف اردو ادب میں گرانقدر اضافہ سمجھا جائے گا بلکہ فن تاریخ کے شائقین اور ماہرین دونوں اس سے بخوبی مستفید اور بہرہ مند ہوں گے۔

بشیر احمد صدیقی

(سابق) صدر شعبہ، علوم اسلامیہ

پنجاب یونیورسٹی لاہور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

تقدیم

ظہورِ اسلام سے پہلے، جس طرح سرزمین عرب میں تاریخ نگاری کے فن کا کوئی سُراغ نہیں ملتا[1] اور طلوعِ اسلام کے بعد ہی عربوں کے ہاں تاریخ نویسی کا فن معرضِ وجود میں آیا اُسی طرح مسلمانوں کے اقلیم ہند میں وُرود سے پہلے علمِ تاریخ کے آثار و علائم نہیں ملتے ۔ بلاشبہ یہ شرف فرزندانِ توحید کو حاصل ہے کہ وہ نہ صرف اپنی سیاسی خدمات اور علمی فتوحات حیطۂ تحریر میں لائے بلکہ انہوں نے مفتوح اقوام کے سماجی و تمدّنی حالات بھی قلم بند کرنے کا حق ادا کر دیا۔[2]

یہ ایک تاریخی صداقت ہے کہ ہندو مفکّرین و محققین کائنات کو سراب اور زندگی کو کھیل سمجھتے تھے۔ لیکن قرآن مجید کے بیان کردہ تاریخی واقعات اور پیش رَو عرب (مسلمان) مؤرخین کی تالیفات، برصغیر کے مسلم تاریخ نویسوں کے لیے سامانِ ہدایت اور مشعلِ راہ ثابت ہوئیں ان کے نزدیک کائنات، قدرتِ خداوندی کا مَظہر اور ایک ٹھوس حقیقت تھی۔ کیونکہ اُنہیں یہ دعا سکھائی گئی تھی۔ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا، اور ان کے نزدیک انسانی زندگی صحیح معنوں میں "عبودیّتِ الٰہی" کی آئینہ دار تھی کیونکہ اُنہیں یہ تعلیم دی گئی تھی: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ۝

دنیا کی اکثر و بیشتر اقوام اپنے ہی کارناموں پر مفتخر رہی ہیں اور اُنہیں

---

[1] ملاحظہ ہو راقم الحروف کی تصنیف "مسلمان تاریخ نویس" کا ابتدائیہ!

[2] ملاحظہ ہو مسلمانوں کے عہد میں ہندوؤں کی تعلیم، مؤلفہ سید سلیمان ندوی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اپنی ہی قومی تاریخ سے لگاؤ رہا ہے۔ لیکن مؤرخینِ اسلام کا ابتداء سے ہی رجحان آفاقی اور عالمی تھا۔[1]

ہندوستان کے مسلم مؤرخین نے بھی اسی قدیم ملّی روایت کے زیرِ اثر ہندو اور بدھ حکمرانوں کے ادوار کے سیاسی و سماجی حالات قلم بند کیے۔ ان کے نزدیک تمام انسانیت خدا کا کنبہ تھی (اَلْخَلْقُ عِیَالُ اللّٰہ) یہی وجہ ہے کہ دورِ سلاطین (دہلی) میں ہمیں قاضی سدید الدین عوفی، راجہ جے سنگھ کی انصاف پسندی کے معترف نظر آتے ہیں۔ چچ نامہ کے مترجم حامد علی کوفی ہندو راجاؤں کے حالات بلا تعصّب قلم بند فرماتے ہیں۔ مولّف طبقاتِ ناصری کے دائرہ علم و تحقیق میں ملوکِ عجم، ملوکِ یمن، اور سامانی حکمران سب شامل ہیں۔ اور ابن بطوطہ اپنے سفرنامے (تحفۃ النظار) میں ہندوؤں کے عقاید و رسُوم پر فراخ دلی سے روشنی ڈالتے ہیں۔ اسی طرح حضرت امیر خسرو اپنی مثنویوں میں، ہندی و اسلامی دونوں تہذیبوں کے امتیاز و ارتباط کے نقشے اُلا پتے نظر آتے ہیں۔ مغلیہ دور میں یہی عالمی رجحان بھی کار فرما اور جلوہ نُما دکھائی دیتا ہے۔ ابوالفضل نے آئینِ اکبری میں بڑے عالمانہ و فاضلانہ انداز میں ہندوؤں کے عقاید و رسُوم اور علوم و فنون کی تصویر کشی کی ہے۔ محمد قاسم فرشتہ نے ہندوؤں کے افکار و نظریات اور ہندو مہاراجوں کے ادوارِ حکومت کے حالات بیان کرنے میں بڑی کد و کاوش سے کام لیا ہے۔ مزید برآں سوانح نگاروں میں سے بابر رانا سانگا کو شاندار الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کرتا ہے۔ اور جہانگیر اپنی توزک میں ہندو پنڈتوں کو خراجِ عقیدت پیش کرتا نظر آتا ہے

برصغیر پاک و ہند کے مسلمان تاریخ نویسوں کے بارے میں بلا خوفِ تردید کہا جا سکتا ہے کہ انصاف پسندی سے ان کا خمیر اُٹھا تھا۔ صدقِ مقال اُن کا شعار تھا، اور حقیقت نگاری ان کا وصف! مستبد حکمرانوں کے سامنے کلمۂ حق بلند کرنا

---

[1] عرب (مسلمان) مؤرخین میں سے ابوحنیفہ دینوری، طبری، یعقوبی، مسعودی وغیرہ کی تصانیف اس سلسلے کی روشن مثالیں ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ان کا وطیرہ! جبکہ بے تعصبی اور فراخ دلی ان کا طرۂ امتیاز تھا۔[1]

چنانچہ دورِ سلاطین کے ممتاز مؤرخ ضیاء الدین برنی کا نظریہ ہے کہ "بادشاہوں کے اعمال کا محاسبہ کیا جاتا رہے تو اس سے نہ صرف انتظامیہ و عدلیہ کی اصلاح ہو جاتی ہے، بلکہ تہذیب و تمدن کا عملِ ارتقاء جاری رہتا ہے"۔ اور "علمائے تاریخ کی صدق بیانی کی بدولت خیر کی قدروں کو فروغ حاصل ہوتا ہے"۔

اسی طرح مغلیہ دور کے سرکاری وقائع نگار ہوں، یا درباری مؤرخ، سب کے سب تداحی اور چاپلوسی سے دامن کش رہے۔ ملا بدایونی پر شہنشاہِ اکبر نے ترقی کے راستے بند کر دیئے لیکن وہ اس کی دینی حکمتِ عملی پر کڑی تنقید کرنے سے باز نہ آئے۔ ملا محمد قاسم فرشتہ[2] عادل شاہی دربار سے وابستہ تھے لیکن انہوں نے اپنے محسن فرمانروا کی تعریف میں ایک بھی توصیفی جملہ نہیں لکھا۔ بلکہ اس کی بعض سیاسی حکمتِ عملیوں سے اختلاف کیا۔ جوہر ہمایوں کا وفا شعار خادم ہونے کے باوصف اپنے ممدوح کی عسکری بے تدبیریوں کا شکوہ کرنے سے نہیں چوکتا۔ واقعاتِ بابری اور توزکِ جہانگیری، یہ ہر دو سوانح عمریاں راست گوئی اور حقیقت نگاری کے اعلیٰ نمونے ہیں جن میں ان کے مرتبین اپنی کوتاہیوں کا برملا اعتراف کرتے نظر آتے ہیں۔

سلاطینِ دہلی کے دور میں تاریخ نویسی کا فن ابتدائی مراحل سے گذر رہا تھا پھر بھی اس دور کے مؤرخین کی دور بین نگاہوں سے تہذیبی و تمدنی مباحث اوجھل نہ ہونے پائے۔

چنانچہ چچ نامہ میں برہمنوں اور بدھوں کے طرزِ تمدن کی بڑی عمدگی سے وضاحت ملتی ہے۔ ضیاء الدین برنی کی مشہور زمانہ تصنیف (تاریخ فیروز شاہی) تہذیبی و سماجی حقائق

---

[1] ابوالفضل اس کلیے کی استثنائی مثال ہے جس نے نہ صرف اپنے ممدوح کی برائیوں کی پردہ پوشی کی بلکہ اس کی خوبیوں کو قصیدہ گو شعراء کی طرح بڑھا چڑھا کر پیش کیا۔

[2] گلشنِ ابراہیمی کے یہ تمہیدی کلمات قابلِ داد ہیں۔ "یہ کتاب علم و تحقیق کی آئینہ دار ہے جس کا شانہ حق و صداقت کی ردا سے مزین ہے"۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کی آئینہ دار ہے۔ ابن بطوطہ کا سفر نامہ پورے عالم اسلام کی اجتماعی و تمدنی تاریخ کا بیش قیمت خزانہ ہے۔ حضرت امیر خسرو نے دہلی کی سیاسی حالت، اور ہندو مسلم تہذیبوں کے امتیازات کو اُجاگر کیا ہے۔

مغلیہ دور میں جب تاریخ نویسی کا فن عروج ارتقاء کی منازل طے کر رہا تھا تہذیبی و تمدنی مباحث کی طرف زیادہ سے زیادہ توجہ دی جانے لگی۔ اسی لیے شیخ عبدالقادر بدایونی نے عہد اکبری علماء، حکماء، شعراء اور ادباء کی علمی خدمات پر سیر حاصل بحث کی ہے۔

محمد قاسم فرشتہ نے اپنے دور کی مسجدوں، مدرسوں، کتب خانوں اور کارواں سراؤں کی تفصیل بیان کی ہے

ملا عبدالباقی نہاوندی نے عبدالرحیم خان خاناں کی قائم کردہ عمارات اور باغات کی بلیغ پیرائے میں تصویر کشی ہے۔ عبدالحمید لاہوری اور محمد صالح کنبوہ نے مسلمانوں کے دینی تہواروں، اجتماعی تقریبوں اور تمدنی سرگرمیوں کا جائزہ پیش کیا ہے۔ غرضیکہ تمام مسلمان مؤرخین نے برصغیر پاک و ہند کی مختلف النوع تہذیبوں کے گوناگون مظاہر کی رونمائی اور نقاب کشائی کا حق ادا کر دیا ہے۔

عرب مؤرخین نے اہل یورپ سے صدیوں پہلے تاریخ پر فلسفیانہ اور حکیمانہ انداز سے غور و فکر کیا تھا۔ جس کی نمایاں مثالیں ابن مسکویہ کی تجارب الامم، سخاوی کی "التوبیخ" اور ابن خلدون کا "المقدمہ" ہیں اسی طرح برصغیر پاک و ہند کے اکثر و بیشتر مؤرخین کی تصانیف میں نشان تفکر اور حکیمانہ تدبر کی جھلکیاں نظر آتی ہیں۔ چنانچہ نامور مؤرخ ضیاء الدین برنی نے تاریخ فیروز شاہی میں جہاں تاریخ نگاری کے اصول اور بنیادی شرائط بیان کیے ہیں وہاں تاریخ نویسی کو واقعہ نگاری اور مدح سرائی کی سطح سے بلند تر قرار دے کر ایک تہذیبی عمل کا درجہ دے دیا ہے۔ شمس الدین سراج عفیف کے قلم سے تاریخ فیروز شاہی کا ابتدائیہ (جس میں فرمانروا کے نمایاں اوصاف پر بحث کی گئی ہے) قابل دید ہے۔ جو فاضل مؤرخ کی سیاسی بصیرت اور حکیمانہ فراست کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ آئین اکبری کا ورق ورق ابوالفضل کی مفکرانہ عظمت کی گواہی دے رہا ہے۔ خافی خان کی بلند پایہ

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

تصنیف (منتخب اللباب) خصوصاً اس کی چوتھی جلد سرمایۂ عبرت و موعظت ہے جس میں فاضل مؤرخ سلطنتِ مغلیہ کے زوال کے اسباب و وجوہ بیان کرنے میں غیر معمولی ژرف نگہی اور نکتہ سنجی کا ثبوت دیتا ہے۔

مسلمانوں نے برّصغیر پاک و ہند میں تاریخ نویسی کو ایسی بلندیوں سے ہم دوش اور سوانح نگاری کو ایسی رفعتوں سے ہمکنار کیا جس کی مثال تاریخِ عالم میں ڈھونڈے سے نہیں ملتی۔ چنانچہ مستشرقین اور غیر مسلم محققین انہیں خراجِ تحسین پیش کرنے پر مجبور ہوئے مثلاً: قاضی منہاج سراج کی مؤرخانہ دیانت داری پر میجر ایچ ٹی ریورٹی انگشت بدنداں ہے۔ پی ہارڈی، امیر خسرو کی انصاف پسندی، اور تبحرِ علمی کا ثنا خواں ہے۔ لارڈ بپٹ، ابوالقاسم کی غیر جانبدارانہ طرزِ تاریخ نگاری کا معترف ہے۔ بلاخمین، عبدالقادر بدایونی کو حریتِ فکر کا اعلیٰ نمونہ قرار دیتا ہے۔ ایلیٹ اور ڈاؤسن خافی خان کو حکمت و دانش کا پیکر تسلیم کرتے ہیں۔ لارڈ میکالے، غلام حسین طباطبائی کو بھرپور خراجِ تحسین پیش کرتا ہے

مزید برآں ہندو علماء اور فضلاء بھی مسلمان مؤرخین کی فکری عظمت کو تسلیم کرنے میں مستشرقین کے ہمنوا نظر آتے ہیں۔ مثلاً ڈاکٹر ایشوری پرشاد، ضیاء الدین برنی کو اعلیٰ پائے کا مؤرخ قرار دیتا ہے۔ جبکہ رام بابو سکسینہ امیر خسرو کی تخلیقات کو شاعری اور تاریخ کا حسین ترین مرقع بتاتا ہے۔ نیز ایس بینرجی ابوالفضل کو بلند پایہ مؤرخوں اور انشا پردازوں میں شمار کرتا ہے۔

عہدِ سلاطین میں حسن نظامی، اور امیر خسرو جیسے قادر الکلام سخنور اور باکمال نثر نگار اس فن کی آبیاری کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں جبکہ مغلیہ دور میں اس شعبۂ علم کے خادموں اور پروانوں کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا گیا۔ ان میں کہیں بابر، جہانگیر اور عالمگیر جیسے فرمانروا اور تاجدار ہیں۔ کہیں ابوالفضل، عبدالحمید لاہوری اور عنایت اللہ کنبوہ جیسے درباری وقائع نگار ہیں۔ یہاں صرف درباری وقائع نگاروں کا ہجوم ہی نہیں بلکہ عبدالقادر بدایونی اور محمد قاسم فرشتہ جیسے نڈر اور بے باک مؤرخ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بھی ہیں جو حکمرانوں کی حکمتِ عملیوں پر آزادانہ تنقید کرتے ہیں، مؤرخین کے طبقے میں جہاں ہمایوں کا جاں نثار خادم جوہر آفتابچی اس فن کی خدمت کے لیے دست بستہ کھڑا نظر آتا ہے وہاں گلبدن بیگم بصد ناز و انداز اپنے دستِ نازک میں "ہمایوں نامے" کا گلدستہ اُٹھائے محوِ خرام دکھائی دیتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہر طبقے کے افراد اپنی اپنی استطاعت کے مطابق فنِ تاریخ نگاری کی آبیاری اور خدمت گذاری میں مشغول ہیں۔ ان تمام اربابِ ذوق کی تخلیقات نگارشات اور تالیفات کی صحیح تعداد کا اندازہ لگانا کارِ دشوار ہے۔ غلام نبی احمد نے اپنی فاضلانہ تصنیف میں ایک سو چھیاسٹھ مؤرخین کی تصانیف کا مختصر سا تعارف پیش کیا ہے۔ ایم جی رسول نے انگریزی زبان میں برصغیر کے اکیس[۲۱] مؤرخوں کے حالات پر محققانہ انداز میں بحث کی ہے اور ہم نے صرف چھبیس[۲۶] مؤرخوں اور سوانح نویسوں کے سوانح حیات اور علمی خدمات کا ناقدانہ جائزہ پیش کرنے پر اکتفا کیا ہے۔

میں پاکستان کے مایۂ ناز شاعر اور باکمال ادیب جناب حبیب الحیبتی کا حد درجہ سپاس گذار ہوں کہ انہوں نے میری سابقہ تالیف "مسلمان تاریخ نویس" اور زیرِ نظر تصنیف "سرمایۂ تاریخ" دونوں پر نظرِ ثانی فرمائی جس سے ان ہر دو تالیفات کی افادیت دوچند ہو گئی ہے۔

احقرالعباد

سعید اختر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

☆☆☆☆

اَلْجُزْءُ الْاَوَّلُ

تاریخ نویسی

☆☆☆☆

سلاطینِ دہلی کے دور میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

محمد علی بن حامد کوفی

(چچ نامہ)

سوانح حیات:۔ فتح نامہ کے مترجم علامہ محمد علی بن حامد کوفہ میں تولد ہوئے۔ عالمِ شباب میں سیر و سیاحت کرتے ہوئے ۵۵۵ھ میں ہندوستان پہنچے اور اُوچ شریف کے مقام پر قیام پذیر ہو گئے جو پنجاب کے پانچ دریاؤں کا سنگم ہے اور ناصر الدین قباچہ کا دار السلطنت تھا۔

ہندوستان میں وُرود کے بعد ان کے ذہن میں ہندوستان کی تاریخ مرتب کرنے کا خیال اُبھرا۔ اسی غرض سے اُنہوں نے اُلورا اور بھکر (حال سکھر) کے تاریخی مقامات کے سفر کیے بھکر میں ان کی ملاقات وہاں کے قاضی مولینا کمال الدین سے ہوئی جنہوں نے محمد علی بن حامد کو اپنے اسلاف کی مرتب کردہ "تاریخ سندھ" المعروف "منہاج الدین والملک" مطالعہ کے لیے پیش کی جسے پڑھ کر علامہ موصوف اتنے متاثر ہوئے کہ از سرِ نو تاریخ سندھ مرتب کرنے کا ارادہ ترک کر دیا اور منہاج الدین والملک کو فارسی زبان کے سانچے میں ڈھال دیا۔ اپنے ترجمے کا نام انہوں نے غالباً فتح نامہ رکھا تھا۔ جو محرّف ہو کر چچ نامہ گیا۔ شاید اس لیے کہ اس ترجمے کے ابتدائی حصے میں راجہ چچ (برہمن پنڈت) کے دَورِ حکمرانی پر تفصیلی بحث کی گئی تھی۔ فاضل مترجم محمد علی بن حامد نے کتاب منہاج الدین والملک کے ترجمے کا بیڑہ جن علمی محرکات کے زیر اثر اُٹھایا تھا اس کے بارے میں وہ خود رقم طراز ہیں:۔

"چونکہ یہ کتاب عربی زبان کے حجاب، اور حجازی اسلوب کے نقاب میں چھپی ہوئی تھی اسلیے خاطر خواہ مقبولیت حاصل نہ کر سکی تاہم جب میں اس گراں مایہ تصنیف سے متعارف ہُوا تو دیکھا کہ یہ کتاب حکمت کے جواہروں سے آراستہ اور نصیحت کے موتیوں سے پیراستہ تھی چنانچہ میں نے اس تصنیف کو عربی سے فارسی زبان میں منتقل کر دیا"۔

لہ طبقات اکبری میں اس گراں مایہ تصنیف کا نام "تاریخ منہاج المسالک" بتایا گیا ہے۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

انتسابِ مترجم :۔ فتح نامہ کے ترجمے کو فاضل مترجم نے ناصر الدین قباچہ کے علم پرور اور علماء نواز وزیر "عین الملک" کے نام منسوب کیا ہے اور ابتدائیے و اختتامیے دونوں میں عین الملک کے لیے ستائشی کلمات ادا کیے ہیں جن سے بآسانی قیاس کیا جا سکتا ہے کہ اس کی رسائی اس علم پرور وزیر کے ہاں ضرور تھی۔

مصنّف کا اسلوب :۔ منہاج الدین والملک جیسی بلند پایہ تصنیف کا اسلوبِ نگارش قدرے دقیق و ثقیل تھا۔ گرچہ فاضل مصنف نے دل چسپ حکایات، حکیمانہ امثال، مرصع اشعار اور نصیحت آموز اقوال سے اپنے کلام بلاغت نظام کو مزیّن کیا تھا۔ انہوں نے جنگوں اور فاتحانہ کارناموں کے بیان میں منظر نگاری کا حق ادا کر دیا تھا اور تاریخی روایات کے پہلو بہ پہلو سلسلۂ اسناد کو بھی درج کیا تھا۔ تاکہ قارئین کرام کو تاریخی روایات کے معتبر و مستند ہونے میں کوئی شک شبہ نہ رہے۔

مترجم کی جدّت طرازیاں :۔ مترجم محمد علی بن حامد کوفی نے ترجمہ کرتے وقت ایک فاضلانہ مقدمہ کا اضافہ کیا ہے جس کا اسلوب بیان خطیبانہ و شاعرانہ ہے۔ انہوں نے قافیہ پیمائی اور سجع آرائی سے اپنی قادر الکلامی اور سحر بیانی کا ثبوت فراہم کیا ہے۔ لیکن ترجمہ سادگی، سلاست روانی اور دل آویزی کے محاسن کا مرقعِ جمیل ہے۔ کتاب کے مباحث کو عام فہم بنانے کے لیے فاضل ترجمہ نگار نے موزوں فارسی اشعار اور برمحل رباعیات کا اضافہ کیا ہے۔ تاریخی روایات کی اسناد کو یا تو سرے سے حذف کر دیا ہے یا بے حد مختصر کر دیا ہے تاکہ نہ تو عام قاری کے ذہن پر سلسلۂ اسناد کا بوجھ پڑے اور نہ ہی اصل واقعات سے اس کی توجہ ہٹنے پائے۔ فاضل مترجم نے شہروں اور شخصیتوں (اماکن و اعلام) کے بارے میں بڑی جگر کاوی اور پتہ ماری سے تشریحی حواشی کا اضافہ کیا ہے جس سے تالیف کی افادیت اور معنویت دوچند ہو گئی ہے۔

جلی سرخیاں :۔ فتح نامہ ابواب و فصول میں تقسیم نہیں کیا گیا بلکہ اس میں جلی سرخیوں کے تحت بیش قیمت سرمایۂ علم پیش کر دیا گیا ہے۔ مثلاً پیروانِ بدھ مذہب کے حالات، جاٹوں کے معاشرتی رجحانات، پنڈت چاچ کی قسمت آزمائی، راجہ سہارس کے دربار میں رسائی راجہ مذکور کی مرگ ناگہانی اور اس کی بیوہ سے معاشقہ کر کے پنڈت چاچ کا راجہ چاچ بن جانا وغیرہ۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مزید برآں راجہ چاچ کی سیوستاں اور ملتان پر چڑھائی، راجہ چندر کی تخت نشینی، اس کے جانشینوں کی خانہ جنگی، راجہ چندر کے ساتھ عرب سوداگر محمد القفی کی لڑائیاں، محمد بن قاسم کا حملہ سندھ میں حق و باطل کی معرکہ آرائی وغیرہ۔

جزوِ اوّل :- فتح نامہ دو حصّوں میں منقسم ہے۔ پہلے حصّے کا مرکزی مضمون، برہمنوں اور بدھ مت کے پیروکاروں کی تاریخ ہے۔ ازمنۂ قدیم کے ہندوستانی راجوں، مہاراجوں کے حالات کے پہلو بہ پہلو، راجہ چاچ کے سوانح حیات کو تفصیلاً پیش کیا گیا ہے۔ فاضل مورّخ کے نزدیک چاچ برہمن ایک غیر معمولی صلاحیتوں کا انسان تھا جو تلاشِ روزگار میں گھومتا پھرتا اپنی ذہانت و فطانت کی بدولت راجہ سہارس کے وزیر (پنڈت رام) کے پاس پہنچا اور اس کے وسیلے سے اس نے راجہ سہارس کے دربار میں رسائی حاصل کر لی۔

جس نے اُسے اپنا ہم راز و ہم دم بنا لیا۔ راجہ کی وفات کے بعد پنڈت چاچ نے اس کی بیوی کو اپنے دامِ اُلفت کا اسیر بنا لیا اور مُلکہ کے دل بلکہ وسیع مملکتِ ہند پر حکمرانی کرنے لگا۔ اس کی اقلیم مشرق میں ریاست کشمیر، مغرب میں مکران، شمال میں کمایوں اور جنوب میں دریائے تور تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس تالیف میں تاریخی واقعات کو حکایات و روایات کی چاشنی سے دلچسپ بنایا گیا ہے۔ مزید برآں اس دور کے معاشرتی پہلوؤں کو بطریقِ احسن بے نقاب کیا گیا ہے۔ مثلاً یہ کہ ہندو رؤسا صندل کی لکڑی سے جلائے جاتے تھے۔ ہندو سماج میں تعددِ ازواج کا رواج تھا۔ بیوہ عورت دوسری شادی کرنے کی قانوناً مجاز تھی۔ راجہ داہر منجّموں سے مشورے لیتا تھا۔ اُمراء کی عورتیں پس پردہ مردوں سے ہمکلام ہوتی تھی اور جب ان کے شوہر مر جاتے تو وہ بھی جل کر راکھ ہو جاتی۔ ہندو برہمن اور بدھ مت کے پیروکار باہم شیر و شکر تھے۔

جزوِ دوم :- فتح نامہ کے دوسرے حصّے میں مسلمانوں کے ہندوستان میں فاتحانہ داخلے اور ان کی ابتدائی معرکہ آرائیوں کا بیان ہے جس سے یہ حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ مسلمان فاتحین مفتوح باشندوں کے ساتھ بے تعصّبی اور سرچشمی سے پیش آتے۔ نیز راجہ داہر اور محمد بن قاسم کے درمیان جو خط و کتابت ہوئی یا حجاج بن یوسف اور محمد بن قاسم کے مابین جو مراسلت ہوئی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس کا تذکرہ خاصا دلچسپ اور دل آویز ہے۔ ان خطوط و مراسلات کی سیاسی و تاریخی اہمیت اس لحاظ سے بھی بڑھ جاتی ہے کہ ان پر محرّروں یا کاتبوں کے نام مع تاریخ کتابت ثبت ہیں۔ منظر کشی میں فاضل مصنف نے یہ کچھ ایسا کمال دکھایا ہے کہ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے فریقین میں ہماری آنکھوں کے سامنے دست بدست جنگ ہو رہی ہے۔ فاضل مصنف کی بے تعصبی اور غیر جانبداری اس امر سے ظاہر ہے کہ اس نے مسلمانوں کی فتوحات کے پہلو بہ پہلو اُن کی شکست و ہزیمت کے چند واقعات خاصے جاندار پیرائے میں قلم بند کر دیئے ہیں۔

مصنف کے تسامحات: محققین کے خیال میں اس قدیم تصنیف میں مستند و معتبر روایات کے پہلو بہ پہلو اِکّا دکّا ناقابلِ اعتبار روایات آ گئی ہیں۔ مثلاً برہمن آباد میں رانی لاڈی کا قصہ، اروڑ کی ساحرہ اور برہمن قیدی کی داستانیں، اور راجہ جے سنگھ کی بہادری کا من گھڑت افسانہ، خصوصاً راجہ داہر کی دو بیٹیوں کی خانہ ساز حکایت جس میں بتایا گیا ہے کہ راجہ داہر کی یہ دونوں بیٹیاں عباسی خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کے پاس پہنچائی گئیں تو ان میں سے ایک نے کہا "یہ مستعمل کنیز آپ کے لائق نہیں، محمد بن قاسم ہمیں پہلے ہی اپنے تصرّف میں لا چکا ہے۔" اس پر سلیمان بن عبدالملک برہم ہو گیا اور اس نے محمد بن قاسم (فاتح سندھ) کی معزولی کے احکامات صادر فرما دیئے۔ بعد ازاں راجہ داہر کی بیٹیوں نے اقرار کر لیا کہ "محمد بن قاسم بے قصور و بے گناہ تھا۔ ہم نے تو اس سے انتقام لینے کے لیے غلط بیانی کی تھی، کیونکہ اس نے ہمارے خاندان کو تباہ، اور ہماری مملکت کو تہ و بالا کر دیا تھا۔" ظاہر ہے کہ یہ دلچسپ حکایت خلیفۂ اسلام کو مغلوبُ الغضب اور قومِ عرب کو کوتاہ اندیش ثابت کرنے کی غرض سے تراشی گئی ہے۔ جسے فاضل مصنف نے بے احتیاطی سے نقل کر دیا ہے۔

تصنیف کے محاسن:۔

(۱) بزمِ مملوکیہ کے مصنف سیّد صباح الدین لکھتے ہیں: "چچ نامہ سندھ کی ایک مستند تاریخ ہے۔ بعد کے مؤرخوں مثلاً نظام الدین بخشی، مؤلّف طبقاتِ اکبری، صاحبِ تاریخ فرشتہ، میر معصوم (مؤلف تاریخ سندھ) اور میر علی قانع ٹھٹھوی (صاحب تحفۃ الکرام) نے چچ نامے سے بھرپور استفادہ کیا ہے۔ اس تاریخ سے اس زمانے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کے سندھ کے مذہبی، عمرانی اور معاشرتی حالات سے متعلق بہت سی مفید معلومات حاصل ہوتی ہیں۔

(۲) ڈاکٹر داؤد پوتہ (ڈائریکٹر تعلیمات سندھ) رقم طراز ہیں: "اس کی عبارت سادہ، سلیس اور بے ساختہ ہے۔ معانی الفاظ میں گم نہیں ہوئے طرزِ انشاء کے لحاظ سے یہ سفر نامہ، سیاست نامہ، چہار مقالہ اور راحت الصدور کا مقام رکھتا ہے۔"[1]

(۳) ڈاکٹر نبی بخش (صدر شعبۂ تعلیم سندھ یونیورسٹی حیدر آباد) فرماتے ہیں:

"یہ کتاب عام طور پر چچ نامہ کے نام سے مشہور ہو گئی ہے۔ نہ صرف سندھ کی تاریخ کے متعلق پہلی بنیادی کتاب ہے بلکہ پورے برعظیم پاک و ہند کے تاریخی سلسلے کی سب سے پرانی کتاب ہے۔"

(۴) خواجہ عبدالحمید یزدانی لکھتے ہیں: "سندھ کے بارے میں یہ کتاب بہت اہمیت رکھتی ہے چنانچہ بعد کے تمام مؤرخین نے اس سے استفادہ کیا ہے اس میں بیان کردہ تاریخی وقائع صحیح اور قابلِ اعتبار ہیں، جو فتوح البلدان اور تاریخ یعقوبی سے خاصی مطابقت رکھتے ہیں۔"[2]

---

[1] فتح نامہ (اردو ترجمہ)

[2] تاریخ ادبیاتِ پاکستان

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

حسن نظامی

(صاحبِ تاج المآثر)

حالاتِ زندگی:- تاج المآثر کے مصنف کا نام صدرالدین محمد بن حسن ہے لیکن دنیائے علم وادب میں صاحبِ موصوف "حسن نظامی" کے نام سے معروف ہیں۔ حسن نظامی سیاسی انتشار کے ہاتھوں مجبور ہو کر اپنے وطن نیشاپور سے نقلِ مکانی کر کے غزنہ میں قیام پذیر ہوئے جو اس زمانے میں علم و ہنر کا گہوارہ تھا۔ ازاں بعد "عروس البلاد" دہلی میں جلوہ افروز ہوئے۔ جہاں انہوں نے "قاضی القضاۃ" شرف الملک کی وساطت سے قطب الدین ایبک کے دربار میں رسائی حاصل کی۔ نتیجہ موصوف نے ان کی تصنیفی و تحقیقی کمالات سے متاثر ہو کر استدعا کی کہ وہ اس کے دورِ حکومت کی تاریخ قلم بند کر دیں۔

۶۰۳ھ میں علامہ موصوف نے "تاج المآثر" کی تصنیف کا کام شروع کیا اور قطب الدین ایبک کی وفات کے بہت بعد غالباً ۶۲۶ھ میں اپنی تصنیف کو شرفِ تکمیل بخشا۔

حسن نظامی جہاں ایک بے عدیل انشاء پرداز تھے وہاں ایک بے نظیر شاعر بھی تھے نظم و نثر دونوں اسالیبِ سخن پر انہیں غیر معمولی دسترس تھی۔ چنانچہ جہاں ان کی نثر غزل کے سانچے میں ڈھلی ہوئی نظر آتی ہے، وہاں ان کے قطعات و ابیاتِ سخن وری کی معراج ہیں۔ اگر تاج المآثر کی بارہ ہزار نثری سطور ہیں تو ان کے دوش بدوش سات ہزار عربی و فارسی اشعار بھی منقول ہیں۔ اکثر و بیشتر جملے ہموزن ہیں۔ خواہ ہم قافیہ نہ ہوں، کہیں کہیں مسجع و منقفیٰ عبارت کا التزام برتا گیا ہے۔ یہ وہ منفرد اسلوب نگارش ہے جو حسن نظامی کے بعد کوئی دوسرا نہ اپنا سکا۔ سید صباح الدین کے الفاظ میں: "اس میں شک نہیں کہ حسن نظامی نے یہ کتاب لکھ کر ادب و انشاء میں غیر معمولی مہارت و قدرت کا ثبوت دیا ہے۔ مگر شاید اس زمانے میں مرصع و مسجع انشاء پردازی کے لیے ہندوستان کی فضا سازگار نہ ہوتی تھی اس لیے حسن نظامی کا طرز مقبول نہ ہوا۔ چنانچہ اس عہد کی تاریخوں میں طبقاتِ ناصری کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

زبان تو بہت آسان اور عام فہم ہے۔ تاریخ فخر الدین مبارک شاہ کی تحریر طبقات ناصری کی طرح سادہ تو نہیں لیکن تاج المآثر کی طرح پُر تکلف بھی نہیں۔ ضیاءالدین برنی نے تاریخ فیروز شاہی میں کہیں کہیں ترصیع، تکرارِ لفظی و معنوی، خطابت اور شاعرانہ تخیل آرائی سے کام لینے کی کوشش تو کی ہے لیکن وہ مرصّع نہ ہونے پائی۔ بلکہ اس کی رنگین بیانی میں موجودہ مذاق کے مطابق ادبی شان وشکوہ ہے۔ شمس سراج عفیف کی تاریخ فیروز شاہی میں بھی لفظی اور معنوی تصنعات نہیں ہیں۔ یحیٰی سرہندی کی تاریخِ مبارک شاہی کی زبان تو بہت ہی سادہ سہل ہے۔ مسجّع اور مرصّع انشاء پردازی اور حقیقت پر شکوہ اور پُر تکلف تمدّن کا نتیجہ ہے جو اس وقت ظہور میں نہ آیا تھا۔ تیموری بادشاہوں کے دور میں ابوالفضل نے اکبر نامے میں جو طرز اختیار کی تھی تو وہ اس دَور کے تمدّن کا لازمی نتیجہ تھا۔"

تاہم تحریر کے اس تصنّع و تکلف کے باوصف فاضل مصنّف نے تاریخی حقائق کے بیان میں، صداقت شعاری اور حقیقت نگاری کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ اس طرح یہ تالیف ادبیانہ و مؤرخانہ محاسن کی جامع ہے۔

علمی مباحث:۔ تاج المآثر میں قطب الدین ایبک کا کردار آئینہ ہوگیا ہے۔ فاضل مصنف کے الفاظ میں قطب الدین ایبک کی عدل گستری کی وجہ سے کبک نے باز سے، درّاج نے عقاب سے، اور تدور نے شاہین کے حملوں سے امن پایا۔ لومڑی اور ہرن شیروں کے کچھاروں میں سکونت پذیر ہو گئے۔ شیر، بکری ایک گھاٹ سے پانی پینے لگے۔
—— علمائے کرام جو علوم انبیاء کے وارث وامین اور شریعت کے خزانے کے پاسبان و نگہبان ہوتے ہیں، ان سب کی شہ موصوف کے ہاں بڑی قدر و منزلت تھی۔ حسن نظامی نے ایک طرف کول کی فتح، گوالیار کی تسخیر اور کالنجر پر غلبے کے واقعات بطور شواہد پیش کیے ہیں۔ جن سے قطب الدین ایبک کی شجاعت و بسالت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے تو دوسری طرف راے پتھورا کے بھائی کی ناکام سازشوں اور بغاوتوں پر روشنی ڈالی ہے اور جا بجا قطب الدین ایبک کو منظوم خراج تحسین پیش کیا ہے۔

تاج المآثر تہذیبی و تمدّنی مباحث کا بے مثال اور لازوال گنجینہ ہے۔ تیغ، نیزہ، تبر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اور خم کمند اس دَور کے آلاتِ جنگ ہیں، تو ساقی، مے، حباب، بر، پیالہ ارباب طرب، چنگ، بربط، دف، جشن، عشرت کی اصطلاحات اس دَور کے سامانِ تعیّش کا پتہ دیتی ہیں۔ اگر ماہِ نو، شب کواکب، گل و گلزار کے الفاظ قدرتی مناظر کی تصویر کشی کرتے ہیں۔ نو بہار، خزاں، تابستان و زمستان موسموں کے تغیّر و تبدّل کی علامتیں ہیں، اسی طرح جانوروں پھلوں، بیماریوں اور طبیبوں کی کاوشوں کے بارے میں ایسا بیش قیمت سرمایۂ علم فراہم کر دیا گیا ہے جس سے اس دور کی تاریخی کتابوں کے اوراق خالی ہیں۔"[1]

یہاں ضمناً اس امر کی طرف اشارہ کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ بعض معترضین نے تاج المآثر کے سنین کی صحت شبہ ظاہر کیا ہے لیکن جیسا کہ ڈاکٹر وجاہت حسین عندلیب شادانی نے اپنے محققانہ مقالے میں اس امر کی وضاحت کی ہے کہ صاحب تاج المآثر نے سنین کے تعیّن میں غالباً ٹھوکر نہیں کھائی۔ بلکہ کسی کاتب سے سنین کے نقل میں سہو ہو گیا ہے

علمی پایہ:۔ تاریخ الفی، طبقاتِ اکبری، آئینِ اکبری، منتخب التواریخ کے مصنفین نے تاج المآثر سے بھرپور استفادہ کیا ہے اور اپنی تصانیف میں اس بلند پایہ تصنیف کے جابجا حوالے نقل کیے ہیں۔[1]

ضیاءالدین برنی جیسے عظیم محقق نے صاحب تاج المآثر کو سرزمین دہلی کے سربرآوردہ مؤرخین میں شمار کیا ہے۔[2]

سید صباح الدین لکھتے ہیں: کہ یہ تصنیف اس لیے بھی اہمیت رکھتی ہے کہ قطب الدین ایبک کے حالات کے بارے میں اوّلین تصنیف ہے۔[3]

خواجہ عبدالحمید یزدانی لکھتے ہیں: حسن نظامی برّصغیر پاک و ہند کا پہلا مورّخ ہے جس کی اصل کتاب دستبردِ زمانہ سے محفوظ رہی ہے اور ہم تک پہنچی ہے۔ اسی

---

[1] بحوالہ بزم مملوکیہ، صفحہ ۲۴

[2] تاریخ فیروز شاہی

[3] بزم مملوکیہ ص ۱۲

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

تصنیف کی بدولت قطب الدین ایبک کے حالاتِ زندگی بعد میں آنے والی نسلوں کو معلوم ہوئے۔ جو بصورتِ دیگر اخفا میں رہتے[1]

نبی احمد سندھیلوی رقم طراز ہیں: حسن نظامی اسلامی سلطنت کی تاریخ ترتیب دینے والا پہلا مؤرخ ہے۔ اس کے بعد اور بہت سی کتبِ تاریخ لکھی گئیں لیکن افضلیت اسی کو حاصل ہے[2]

---

[1] تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند ص ۲۶۲

[2] تذکرۂ مؤرخین ص ۳۵

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

قاضی سدید الدین عوفی

(جوامع الحکایات)

سوانح حیات:- قاضی سدید الدین عوفی مشہور صحابیٔ رسول حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی اولاد میں اس لیے اپنے اسم گرامی کے ساتھ عوفی لکھتے ہیں۔ آپ ایک علمی گھرانے کے چشم و چراغ ہیں۔ ان کے جدِ امجد ماوراءالنہر کے مشہور عالم تھے اور ان کے ماموں سلطان ماوراءالنہر کے شاہی طبیب تھے۔ قاضی ممدوح نے ابتدائی تعلیم اپنے وطن مالوف میں حاصل کی۔ ازاں بعد دیار و امصار، مثلاً سمرقند، خوارزم، مرو، نیشاپور، ہرات، اسفرائن اور سجستان کے علماء و فضلاء سے استفادۂ علمی کی سعادت پائی اور اپنے وطن واپس پہنچے۔ تو ان کا شمار اپنے دور کے جید ترین علماء و فضلاء میں ہونے لگا۔

۶۲۵ھ میں قاضی سدید الدین ہندوستان تشریف لائے تو ناصرالدین قباچہ نے قدر شناسی کے طور پر انہیں خطیب کے منصب پر مامور فرمایا۔ ازاں بعد انہیں ترقی دے کر قاضی القضاۃ (کھمبایت) کے عہدے پر سرفراز کیا۔ قاضی موصوف ممتاز مورخ اور قادر الکلام شاعر تھے۔ ان کی دو کتابیں، تاریخ کے موضوع پر ہیں۔

لب الالباب:- یہ تصنیف دربارِ شاہی سے وابستہ ہونے کے تھوڑے عرصہ بعد مرتب فرمائی جو فارسی زبان کے شعراء کا قدیم ترین تذکرہ ہے۔ اور عوفی کے باکمال ادیب ہونے کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔

جوامع الحکایات:- عوفی کی دوسری مشہور زمانہ تصنیف "جوامع الروایات والحکایات" ہے جو انھوں نے سلطان ناصرالدین قباچہ کی درخواست پر لکھنا شروع کی چونکہ اس کتاب کے مکمل ہونے سے پہلے سلطانِ مذکور فوت ہوگئے اس لیے فاضل مصنف نے اپنی تصنیف محمد بن ابی سعد الجنیدی کے نام منسوب کی ہے جو شمس الدین کے معارف پرور وزیر تھے۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مباحث :۔ "جوامع الحکایات"، من گھڑت داستانوں اور خود تراشیدہ افسانوں کا مجموعہ نہیں۔ جیسا کہ اس کے عنوان سے بظاہر گمان ہوتا ہے۔ بلکہ ارباب علم و دانش کے نزدیک اس کی تمام تر حکایتیں معیاری و تاریخی ادب کا درجہ رکھتی ہیں جو بلاشبہ اس دور کے مذہبی، تہذیبی، تمدنی، معاشرتی اور سیاسی حالات کی آئینہ دار ہیں۔ مزید برآں بعض حکایات اخلاقی مباحث پر حاوی ہیں جن کی سبق آموزی، اور عبرت انگیزی مسلم ہے یہ بیش قیمت تالیف چار فصلوں پر منقسم ہے جس کی ہر فصل میں پچیس ابواب ہیں۔ ان ابواب میں دو ہزار کے لگ بھگ (۲۱۱۳) حکایات مذکور ہیں۔

جن تاریخی مصادر و منابع سے فاضل مصنف نے خوشہ چینی کی ہے ان کی تصریح خود فرما دی ہے۔ مثلاً آثار الباقیہ، کتاب الہند، تاریخ یمینی، تاریخ ناصری، تاریخ ملوک العجم، مجمع الامثال، ادیان العرب، تفسیر ابن النقیب، تاریخ مقدسی اور کتاب الحیوان! ان ماخذوں کی فہرست پر سرسری نظر ڈالنے سے نہ صرف عوفی کی وسعت مطالعہ کا اندازہ ہوتا ہے بلکہ اس کی غیر معمولی علمی و ادبی صلاحیتوں کا پتہ چلتا ہے۔

علامہ موصوف نے ایک غیر مسلم راجہ جے سنگھ (والیٔ گجرات) کی بے تعصبی اور عدل پروری کے بارے میں تصریح فرمائی ہے کہ وہ ایک مرتبہ کھمبایت جا پہنچے۔ جہاں کے پارسیوں کے بہکانے پر ہندوؤں نے ایک مسجد کو شہید کر دیا اور اس کے منارے کو مسمار کر دیا۔ امام مسجد موصوف نے راجہ جے سنگھ کے دربار میں حاضر ہو کر داد رسی چاہی۔ اس عدل پرور حاکم نے نزاعی معاملے کی مناسب چھان بین کے بعد برہمنوں اور پارسیوں کو قرار واقعی سزا دی۔ کیونکہ ان کا قصور ثابت ہو گیا اور تلافیٔ مافات کیلئے مسجد اور منارۂ مسجد، دونوں کی مرمت کروا کے۔ امام مسجد کو خلعت فاخرہ مرحمت فرمائی

اس بلند پایہ تصنیف کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ جا بجا فاضل محقق نے اپنے قدر شناسوں اور کرم فرماؤں کے بارے میں توصیفی اشعار درج کیے ہیں مثلاً التمش اور نظام الملک وغیرہ کی شان میں۔

حکایات کے پیرائے میں سب سے قابل قدر سرمایۂ علم سلطان محمود غزنوی .....

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

امیر سبکتگین، سلطان مسعود، اور شہاب الدین غوری کے فاتحانہ کارناموں کا تذکرہ ہے۔

علمی مقام:۔ قاضی ممدوح کو، مؤرخانہ خدمات اور ادیبانہ کمالات کی وجہ سے بے پناہ مقبولیت نصیب ہوئی۔ چنانچہ ان کا معاصر محقق، محمد بن عمر بن محمد سمرقندی انہیں واعظ الملوک اور ملک الکلام کا درجہ دیتا ہے۔ اور کبھی انہیں افضل العالم، منشی النظم والنثر کے گرامی قدر القاب سے نوازتا ہے۔ دور جدید کے ناقدین نے بھی قاضیؒ موصوف کی ان حکایات کو بے حد سراہا ہے جو بڑے دل آویز پیرائے میں تاریخی حقائق کو بے نقاب کرتی ہیں۔ چنانچہ سید ہاشمی فرید آبادی جوامع الحکایات کے بارے میں فرماتے ہیں:

"دورِ اوّل سے فارسی علم وادب کی نہایت مقبول اور منتخب کتاب مانی گئی ہے"[1]

سید صباح الدین لکھتے ہیں: "حکایتوں کی رنگا رنگی، بوقلمونی، سچائی اور رنگینی کی وجہ سے یہ کتاب بڑی مقبول ہوئی"[2]

---

[1] و [2] بزم مملوکیہ ص ۵۳

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

قاضی منہاج الدین سراج

(طبقات ناصری)

سوانح حیات:۔ قاضی منہاج الدین بن سراج الدین الجوزجانی "دورِ شمسی" کے اہم ترین مؤرخ ہیں۔ قاضی موصوف کے دادا تبحرِ علمی کے باعث "امامِ بخارا" کہلاتے تھے اور ان کے والد بزرگوار معز الدین سام اور بہاء الدین سام کے ادوار میں قاضی و خطیب کے مناصب عالیہ پر سرفراز رہے۔ آپ سلطان غور کے مقرب خاص بھی تھے۔ اور نصیر الدین قباچہ کے عہد میں مدرسہ معزیہ کے مہتمم بھی مقرر ہوتے۔ التمش نے انہیں گوالیار کا قاضی بنایا اور بہرام شاہ نے انہیں قاضی القضاۃ کے منصب پر فائز کیا۔ ناصر الدین محمود اور غیاث الدین محمود ہر دو فرمانرواؤں نے آپ کو صدرِ جہاں کے خطاب سے نوازا اور بڑی بڑی جاگیریں قدر افزائی کی غرض سے مرحمت فرمائیں۔

آپ کے معاصر علماء و مؤرخ، آپ کے بڑے قدردان و قدر شناس تھے۔ چنانچہ شیخ عبد الحق دہلوی رقم طراز ہیں: "منہاج سراج" اپنے عہد کے ایسے ہمہ دان عالم تھے کہ حضرت نظام الدین اولیاء جیسے عارف کامل ہر دو شنبہ، ان کے وعظ کی محفل میں شریک ہوا کرتے تھے۔ اربابِ نظر کا اندازہ ہے کہ یہ شہرۂ آفاق تالیف ۶۵۸ھ میں پایہ تکمیل کو پہنچی جس کا نام فاضل مصنف نے "سلطان ناصر الدین محمود" کے نام نامی کی مناسبت سے "طبقاتِ ناصری" رکھا۔

مباحث:۔ یہ گراں مایہ تالیف بائیس [22] ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلے دس ابواب میں انبیاء و مرسلین، خلفائے راشدین، خلفائے بنو امیہ، بنو عباس کے حالات کے ساتھ ساتھ قدیم ملوک عجم اور ملوک یمن کا ذکر کیا گیا ہے۔ نیز امرائے طاہریہ، صفاریہ اور دیالمہ کے ادوار حکومت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ گیارہویں، انیسویں، بیسویں، اکیسویں، بائیسویں ابواب میں برصغیر پاک و ہند کی تاریخ کا بیان ہے۔ [illegible]

[illegible]

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

گیارھویں باب میں امیر سبکتگین سے لے کر خسرو ملک بن خسرو شاہ تک کے پندرہ[15] فرمانرواؤں کے ادوارِ حکومت کے حالات اختصار سے بیان کیے گئے ہیں۔ البتہ محمود سبکتگین کے دَور کے حالات شرح و بسط سے زیبِ قرطاس کیئے گئے ہیں۔

انیسویں باب میں غزنی میں، شنبسانی حکمرانوں مثلاً سیف الدین سوری، محمد بن سام علاءالدین، تاج الدین اور قطب الدین کے اَدوارِ حکومت کا جائزہ پیش کیا گیا ہے جس میں محمد بن سام کے دورِ حکومت میں راستے پتھورا (پرتھوی راج) کی عبرتناک شکست، اور دہلی کے راجہ گوبند رائے کی میدانِ جنگ میں عبرت نشان ہلاکت پر زورِ قلم صرف کیا گیا ہے۔ قاضی ممدوح نے محمد بن سام غوری کے وزیروں، غلاموں، دارالحکومتوں، پرچموں اور جھنگوں کی مکمل فہرست نقل فرمائی ہے۔ قاضی موصوف محمود غوری کی شہادت اور بلادِ اسلامیہ پر مغلوں کے حملوں کو قربِ قیامت کی علامت قرار دیتے ہیں اور اس سلسلہ میں ایک موضوع حدیث درج فرماتے ہیں۔ کہ سیّد المرسلین سے لوگوں نے پوچھا کہ قیامت کب آئے گی؟ آنحضورؐ نے جواب دیا۔ میرے چھ سو سال بعد! کوئی عام مؤرخ یہ موضوع حدیث نقل کرتا تو تعجب کی بات نہ تھی۔ لیکن مقامِ حیرت ہے کہ قاضی موصوف جیسے جیّد عالمِ دین نے اپنی عالمانہ تصنیف میں موضوع روایت درج کر دی ہے۔ مُلّا علی قاری جیسے محقق کا قول ہے کہ محدثین کرام کے نزدیک ایسی تمام روایتیں ناقابلِ قبول ہیں جن میں دنیا کی عمر کے بارے میں بہ تعیینِ سن صراحت کی گئی ہو۔

بیسواں باب نو معزّی حکمرانوں کے بارے میں ہے جن میں قطب الدین ایبک اور محمد بختیار خلجی کا تذکرہ نسبتاً تفصیل سے کیا گیا ہے۔ اوّل الذکر کے بارے میں قاضی ممدوح لکھتے ہیں کہ قطب الدین کو ایبک اس لیے کہتے ہیں کہ اس کی چھنگلیا ٹوٹی ہوئی تھی۔ نیز مؤخر الذکر کی فتوحات اور علمی خدمات پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

اکیسواں باب شمسی فرمانرواؤں کے حالات پر روشنی ڈالتا ہے التمش کے قاضیوں، رشتہ داروں کے پہلو بہ پہلو اس عہد کے مرکزی شہروں اور عَلموں کی فہرست درج کی گئی ہے اس خانوادے کے ساتویں فرمانروا سلطان ناصر الدین محمود کے ہر سال کے دورِ حکومت کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

جداگانہ جائزہ پیش کیا گیا ہے (کہ جس کے نام یہ تالیف معنون ہے)

بائیسویں باب میں پچیس شمسی سرداروں اور امیروں کے حالات بیان کیے گئے ہیں۔

قاضی منہاج الدین نے اپنے سوانح حیات اور شجرۂ نسب کو متفرق اشارات کی صورت میں اس طرح قلم بند فرمایا ہے کہ جب تک "طبقاتِ ناصری" موجود رہے گی فاضل مصنف کی سوانح عمری بھی معلوم رہے گی۔

علمی پایہ:۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ قاضی منہاج الدین نے اپنی یہ گراں مایہ تصنیف ۶۵۸ھ میں ناصرالدین کی خدمت میں پہلے پہل پیش کی تو اس نے غایت قدردانی سے اپنی چادر اُتار کر اُنہیں دے دی اور خلعتِ فاخرہ عنایت فرمانے کے علاوہ دس ہزار جیتل کا سالانہ وظیفہ مقرر فرمایا اور ایک گاؤں بطور جاگیر بخش دیا۔ ازاں بعد قاضی موصوف نے اپنی تاریخ کا ایک نسخہ الغ خان کی خدمت میں نذر کیا۔ تو اس نے انہیں بڑے انعام واکرام سے نوازا۔

ڈاکٹر عبدالحمید یزدانی نے اس یادگارِ زمانہ تصنیف کی دو خامیوں کی طرف اشارہ کیا ہے اوّل اس تصنیف کا اختصار ذوقِ سلیم پر گراں گذرتا ہے۔ دوئم اس دور کے معاشرتی و اقتصادی حالات کے بارے میں اس میں بہت کم معلومات درج ہیں۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ ڈاکٹر صاحب کو اعتراف ہے کہ یہ تالیف مملوک سلاطین کے بارے میں ایک قیمتی و مستند ماخذ سمجھی جاتی ہے۔ اور اپنے شیریں و استوار اسلوب بیان کے باوصف، نہ صرف اپنے دور میں، بلکہ مابعد کے ادوار میں ایک ادبی شہ کار کا درجہ رکھتی ہے۔

ڈاکٹر حبیب اللہ صاحب نے اس تصنیف کے متعدد تسامحات کی نشاندہی فرمائی ہے اوّلاً فاضل مؤرخ نے غوری خاندان اور التمش کے دورِ حکومت کے ساتھ پورا انصاف نہیں کیا۔ ثانیاً قاضی موصوف نے اپنے کرم فرماؤں (سلطان ناصرالدین اور الغ خان) کی خامیوں کو نظر انداز کر دیا ہے۔ ثالثاً بعض اہم امور قلم انداز ہو گئے ہیں یا مجمل و ناتمام ہیں! رابعاً کہیں کہیں مضامین میں تضاد پایا جاتا ہے۔ تاہم ڈاکٹر حبیب اللہ اس تصنیف کو بحیثیتِ مجموعی سراہتے ہوئے لکھتے ہیں۔ کہ اس کتاب کے اہم و مستند ماخذ ہونے سے کوئی منصف مزاج انسان انکار نہیں کر سکتا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہمارے استاذِ گرامی جناب ڈاکٹر عبداللہ چغتائی فرماتے ہیں: "طبقاتِ ناصری اسلامی ہند کے ابتدائی دور کی قابلِ قدر اور مستند تصنیف ہے جو سلطان ناصرالدین محمود کے عہد (۶۵۸ھ) میں مکمل ہوئی۔"

دربارِ ملی کے مؤلفین (شیخ محمد اکرام، اور ڈاکٹر وحید قریشی) اس گراں مایہ تالیف کے بارے میں رقم طراز ہیں۔ "قاضی موصوف دورۂ شمسی کے نامور مؤرخ ہیں۔ ان کی کتاب اگرچہ عمومی تاریخ ہے لیکن اس کے پانچ ابواب براہِ راست پاک و ہند کی تاریخ سے تعلق رکھتے ہیں۔ خصوصاً معزی فتوحات اور بنگال کی طرف پیش قدمی کی تفصیلات نہایت مستند ماخذ بھی کتاب ہے۔"

بزمِ مملوکیہ کے مؤلف سید صباح الدین لکھتے ہیں۔ دہلی کے مملوک سلاطین پر دو ہی معاصر تاریخی تصانیف ہیں۔ ایک تاج المآثر اور دوسری طبقات ناصری، تاج المآثر اپنی مسجع اور مقفیٰ عبارت کی وجہ سے زیادہ مقبولِ عام نہ ہو سکی۔ اس کے برعکس طبقاتِ ناصری کچھ ایسی سادہ، سلیس اور عام فہم عبارت میں لکھی ہوئی ہے کہ پڑھنے والوں پر یہ اثر ہوتا ہے کہ مؤلف نے تمام واقعات کو حاشیہ آرائی اور رنگ آمیزی کے بغیر سیدھے سادھے طریقے پر لکھنے کی کوشش کی ہے۔ اس لیے جو کچھ لکھا گیا ہے اس کے صحیح اور مستند سمجھنے میں کوئی تامل نہیں ہوتا ہندوستان کے مملوک سلاطین کے عہد کے لیے یہ تاریخ بہت ہی قیمتی و مستند ماخذ کا درجہ رکھتی ہے۔ اور ہر دور کے مؤرخ اس سے استفادہ کرتے رہیں گے۔

آقائے حبیبی، عبدالحی حبیبی رقم طراز ہیں: "اس کتاب کے فاضل مؤلف فارسی کے ممتاز انشاء پردازوں میں سے ایک ہیں کہ ان کی تالیف سلاست اور روانی کے اعتبار سے بے نظیر ہے۔ اور تاریخی حقائق کو احاطہ میں لانے، اور عینی مشاہدات پیش کرنے میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔"

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

امیر خسروؒ

ملک الشعراء، حضرت امیر خسروؒ کا شمار ان رفیع المنزلت بزرگوں اور عظیم المرتبت ہستیوں میں ہوتا ہے، جن کے روحانی فیض اور علمی عرفان کی خوشبو اور روشنی چہار دانگِ عالم میں پھیلی ہوئی ہے اور تا بہ ابد پھیلتی رہے گی۔

حضرت امیر خسروؒ اقلیم تصوّف میں صاحبِ مقام اور تاریخ نویسی و مثنوی نگاری میں وقت کے امام تھے۔ آپ نہ صرف باکمال نثر نگار ہیں۔ بلکہ تمام اصنافِ سخن میں یکساں قدرتِ کلام رکھنے کی وجہ سے یگانۂ عصر شاعر ہیں جن کا کلام فکر انگیزی اور اسلوبِ بیان کی دلآویزی کے اعتبار سے اپنی مثال آپ ہے۔

حضرت امیر خسرو کے پانچ دیوان یادگار ہیں۔ تحفۃ الصغر، وسط الحیات، غرۃ الکمال بقیہ نقیہ اور نہایت الکمال، ملک الشعراء موصوف کی پانچ مشہور تاریخی مثنویاں ہم تک پہنچی ہیں قران السعدین، مفتاح الفتوح، دیول رانی، مثنوی نُہ سپہر اور تغلق نامہ البتہ خزائن الفتوح ان کی نثری کاوش ہے۔ جو ان کی مثنویوں سے بڑھ کر معلومات کا بہترین ذخیرہ اور ادیبانہ اسلوب نگارش کا اعلیٰ نمونہ ہے۔

(۱) **قران السعدین**:- امیر خسرو علیہ الرحمۃ نے یہ تاریخی مثنوی سلطان معز الدین ــــــ فرمانروائے دہلی کی فرمائش پر ۶۸۸ھ میں صرف چھ ماہ کی مختصر مدت میں مکمل فرمائی جس میں تین ہزار نو سو چوالیس (۳۹۴۴) اشعار درج ہیں۔ اس مثنوی کے مرکزی کردار دو ہیں سلطان معز الدین اور اس کے والدِ گرامی ناصر الدین بغرا خاں (حاکم بنگال) امیر خسروؒ نے اس یادگار مثنوی میں جو منظوم تاریخی واقعہ قلم بند فرمایا ہے اس کا ماحصل یہ ہے کہ جب سلطان کیقباد اُمورِ سلطنت سے غافل ہو کر رندی و سرمستی میں مبتلا ہوا تو اس کے والدِ مکرم بغرا خان اُسے راہِ راست پر لانے کے لیے لکھنوتی سے دہلی کی طرف روانہ ہوئے تو کیقباد کو مغالطہ ہوا کہ میرے والد دلی کے تخت سلطنت پر قابض ہونے کی غرض سے آئے ہیں۔ لیکن جب سرجو ندی (اودھ) کے کنارے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

باپ بیٹا مقابل ہوئے تو شکر رنجی دور ہو گئی اور دونوں کی فوجوں نے خوب خوشیاں اور رنگ رلیاں منائیں۔

اس مثنوی میں دہلی کی سیاسی اہمیت اور تمدنی حالت کا بھرپور جائزہ لیتے ہوئے امیر خسروؒ نے لکھا ہے کہ دہلی (قبتہ الاسلام) ایک بلند پہاڑی پر واقع تھا جس کے تین اطراف میں تین قلعوں کی بلند فصیلیں ایستادہ تھیں۔ ہر گھر آرائش و زیبائش کے لحاظ سے بہشت بریں کا منظر پیش کرتا تھا۔ خراسان و ہندوستان کے پھل پھول یہاں فراواں تھے۔ جہاں کے باشندے علم و ادب کے دلدادہ اور علوم و فنون کے قدر دان تھے۔ شاہی جامع مسجد، قطب مینار اور حوض سلطانی کی دیدہ زیب، دلفریب اور دلآویز عمارتیں دہلی کے حسن و جمال کو دوبالا کیے دیتی تھیں۔

حضرت امیر خسروؒ نے کیقباد کے شاہی دربار کی موثر پیرائے میں کچھ یوں تصویر کھینچی ہے کہ جشن نوروز کے موقع پر دریا کے عین وسط میں ایک چمن زار تیار کیا گیا جس کے درختوں پر نمائشی پھل ایسے آویزاں تھے جیسے ابھی ٹپک پڑیں گے اور مصنوعی پرندے یوں دکھائی دیتے تھے گویا مائل پرواز ہوں۔

باپ بیٹے میں زر و جواہر کے تحائف کے علاوہ مشک ختن، صندل، عنبر، قرنفل، کافور، فیل اور اسپ تازی جیسے نوادرات کا تبادلہ ہوا۔ دسترخوان پر شاہانہ انداز سے انواع و اقسام کے کھانے چنے گئے۔

اس مثنوی کے بارے میں بابو رائے سکسینہ لکھتا ہے: "یہ امیر خسروؒ کی پہلی تاریخی مثنوی ہے جسے ان کی تصنیفات و تخلیقات میں بلند ترین مقام حاصل ہے۔ کیونکہ یہ مثنوی علم تاریخ اور فن شاعری کی باہم آمیزی کا حسین ترین مرقع ہے۔"

علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں: "نظم اور لطائف کی پابندی کے ساتھ تمام تاریخی حیثیتیں ملحوظ رکھی گئی ہیں۔ اس طرح کہ کوئی نثر لکھتا تو اس سے بڑھ کر ان باتوں کو نہ لکھتا۔"

(۲) **مفتاح الفتوح**:۔ یہ مختصر سی تاریخی مثنوی جو چار ہزار پانچ سو اکتیس اشعار کا مجموعہ ہے۔ حضرت امیر خسروؒ نے سلطان جلال الدین خلجی کی فتوحات کے بیان میں مرتب فرمائی ہے انہوں نے تصریح فرمائی ہے کہ سلطان موصوف ۶۸۹ھ میں تخت شاہی پر متمکن ہوتے ہی اسی سال

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

انہوں نے سلطان چھجو کے خلاف چڑھائی کی تو شاہی لشکر نے اتنے عَلم بلند کیے کہ چشمِ آفتاب زمین کو نہ دیکھ سکی۔ اس لشکر کے پاس نیزہ، سنان، دمامہ جیسے جدید طرز کے ہتھیار تھے اور لشکر کے میمنہ، میسرہ، ہراول وعقب پر بہترین آزمودہ کار جرنیل متعیّن تھے۔

امیر خسرو نے جھائین کے ہندو راجہ کے خلاف جلال الدین خلجی کی فوج کشی کی بڑے دلکش پیرائے میں تصویر کشی کی ہے کہ جب ہندو سورماؤں پر مسلمان مجاہدوں نے تیر اندازی کی تو وہ "مار! مار!" پکار اُٹھے۔ راجہ کے محل پر چمنستان و بہارستان کا گمان ہوتا تھا لیکن جب اُسے مسمار کر دیا گیا تو معلوم ہوتا تھا جیسے کسی گلشن پر خزاں آجائے۔ اس کی دیواریں، جن پر نگارخانۂ چین کا گمان ہوتا تھا۔ پتھروں کا ڈھیر بن گئیں اور ان کے اصنام جو سنگتراشی کا عمدہ نمونہ تھے۔ جلال الدین خلجی کے جوہر بت شکنی کی تاب نہ لا سکے۔

۳۔ **دیول رانی خضرخاں**، یہ مثنوی طوطیٔ ہند امیر خسروؒ نے علاءالدین خلجی کے باکمال بیٹے خضرخان اور والیٔ گجرات راجہ کرن کی خوش جمال صاحبزادی کی داستان عشق و محبت کی دلچسپ روئیداد ہے جو خضرخان ہی کی فرمائش پر حضرت امیر خسروؒ نے ۷۱۵ھ میں عرصۂ چار ماہ میں مکمل فرمائی۔ یہ مثنوی چار ہزار دو سو اشعار پر مشتمل ہے اس دلگداز اور دلکش داستان کا مرکزی خیال یہ ہے کہ اقلیمِ عشق میں کفر و ایمان کی حدّیں، دو دِلوں کے رابطے میں دیوار نہیں بن سکتیں۔ اس مثنوی میں ہندوستان کو "جنت نشاں" اور دہلی کو اس کا "دل" قرار دیا گیا ہے۔ اس یادگار مثنوی میں ہندوستان کے فاتحین و سلاطین کے مجمل سوانح حیات اور خدمات کے پہلو بہ پہلو علاؤالدین خلجی کی فتوحات کا مفصّل تذکرہ ہے جو اگرچہ خود کسی مہم پر نہ گیا۔ لیکن جس کے دورِ اقتدار میں ہندوں کے سنگیں دھٹوس قلعے اور سیاسی اہمیّت کے وسیع علاقے زیرنگیں ہو گئے۔ اسی دور میں مالوہ کے چالیس ہزار ہندو سواروں کو منہ کی کھانا پڑی اور مسلمان بہادروں نے مانڈا، جھائین، رنتھنبور، گجرات اور تلنگانہ کے علاقوں کو پائمال کر ڈالا۔

اس تاریخی مثنوی میں شہزادہ خضرخان کی شادی کے حالات بڑی تفصیل سے قلمبند کیے گئے ہیں۔ کہ "جشنِ عروسی" کے موقع پر کوچہ و بازار سجائے گئے۔ جابجا زرّیں پردے لٹکائے گئے۔ اور شامیانے نصب کیے گئے۔ فرش پا انداز (یعنی قالین) بچھائے گئے۔ شعبدہ بازوں، نٹوں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

گویوں اور رقاصوں نے اپنے کمالاتِ فن کا مظاہرہ کیا۔ نوشہ، رہوارِ سیک خرام پر سوار تھا۔ اور اُمراء و وزراء پیادہ پا تھے۔ راستہ بھر نوشہ پر موتی و جواہرات کی بارش کی گئی۔

اس مثنوی میں ملک کافور کے ہاتھوں خضر خان کی ہلاکت کا بیان بڑا عبرت آموز اور دردانگیز ہے جس سے حشمت و اقتدار کی بے ثباتی و بے وقعتی اظہر من الشمس ہو جاتی ہے۔

(۴) **مثنوی نُہ سپہر**:۔ حضرت امیر خسروؒ نے یہ بے بدل مثنوی سلطان قطب الدین مبارک خلجی کی فرمائش پر ۷۱۸ھ میں مکمل فرمائی جو چار ہزار پانچ سو نو (۴۵۰۹) اشعار پر مشتمل ہے۔ اس تاریخی مثنوی میں حمدِ خداوندی اور نعتِ رسولؐ کے بعد واقعۂ معراج النبیؐ مذکور ہے جس سے سید المرسلینؐ کی دیگر انبیاء و رسل پر فضیلت واضح ہو جاتی ہے۔ ازاں بعد حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کی شان (منقبت) ایسے لطیف پیرائے میں کی گئی ہے کہ دوسرے اولیاء ہند پر ان کی فضیلت کا شرف نمایاں ہو جاتا ہے۔ اس مثنوی میں اہلِ ہند کے جن امتیازی اوصاف و کمالات کا ذکر ہے ان سے اہلِ ہند کی اقوامِ عالم پر (درجِ ذیل) دس پہلوؤں میں فضیلت و فوقیت مسلّم ہو جاتی ہے۔

اوّل۔ اہلِ ہند علم و حکمت میں تمام اقوامِ عالم میں نمایاں مقام رکھتے ہیں۔

دوئم۔ ہندوستان کے باشندے دوسری زبانوں کو سیکھنے اور بولنے میں مہارتِ تامہ رکھتے ہیں

سوئم۔ ہندوستان کے علم و فضل کا آوازہ سن کر بڑے بڑے حکماء و فضلاء یہاں آتے رہے مثلاً ابو معشر ہیئت دان وغیرہ!

چہارم۔ علمِ ہندسہ کی ایجاد کا سہرا ہندوستان کے ممتاز محقق "برہمن آسا" کے سر ہے۔

(اور ہندسہ "ہند آسا" کا مخفف ہے)

پنجم۔ ہندوستان میں عقل و دانش سے معمور تالیفات مدوّن ہوئیں۔ مثلاً کلیلہ و دمنہ!

ششم۔ شطرنج کا کھیل یہاں کے لوگوں کی ایجاد ہے جو قوتِ فکر یہ کیلئے مہمیز کا کام دیتا ہے۔

ہفتم۔ ہندوستان کی موسیقی روح میں سوز و گداز پیدا کرتی ہے اور حیوانات کو مسحور کر دیتی ہے۔ اس لیے تمام اہلِ جہان کی موسیقی سے برتر ہے۔

ہشتم۔ یہاں بعض ایسے پرندے ملتے ہیں جو انسانوں کی طرح بولتے ہیں مثلاً، طوطا و مینا!

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

نہم۔ طاؤس زرنگار جو صانع قدرت کا شاہکار ہے۔ اغلباً یہاں کے سوا کسی دوسرے خطۂ ارضی میں نہیں پایا جاتا۔
دہم۔ یہاں ایسے حیوانات (گھوڑے وغیرہ) ملتے ہیں جو سازوں کی سُر اور تال پر رقص کرتے ہیں۔

اسی مثنوی میں ایک دوسرے مقام پر اہلِ ہند کی دوسری اقوام پر فضیلت بدیں الفاظ بیان ہوئی ہے
"اہلِ ہند فراست و ذہانت میں تمام اہلِ جہان سے برتر ہیں۔ یونان کی طرح یہاں علم فلسفہ کی کئی شاخوں پر تحقیق و تدقیق ہو رہی ہے۔ مثلاً طبیعات، منطق، النجوم، ریاضی، ہیئت، الٰہیات، علم کلام وغیرہ! ہندوستان، آب و ہوا کی خوبی اور اثمار کی عمدگی کے لحاظ سے تمام بلادِ عالم سے بڑھا ہوا ہے۔ یہاں کے باشندے ایران کے لوگوں کی طرح ثنویت پرست (دو خداؤں کے ماننے والے) نہیں بلکہ خدا کی احدیت و ابدیت کے قائل ہیں۔

(۵) **تغلق نامہ**:۔ دو ہزار سات سو اشعار پر مشتمل ہے جو امیر خسرو کے ذاتی مشاہدات اور چشم دید راویوں کے مستند بیانات کا نادر مرقع ہے۔ اس میں غیاث الدین محمد تغلق کے دہلی کے تاج و تخت پر قابض و متصرف ہونے کا بیان ہے[1]

اس مثنوی میں جہاں امیر خسرو نے دو متقابل تہذیبوں کے آثار و مظاہر کو بڑی عمدگی سے بیان کیا ہے وہاں خسرو خان اور محمد تغلق کے کرداروں کے باہمی امتیاز کو بھی واضح کر دیا ہے۔
امیر موصوف لکھتے ہیں کہ معرکہ آرائی کے وقت ہندو دیوی اور دیوتاؤں کے نام پڑھتے اور نارائن کی جے پکارتے۔ جبکہ مسلمان جہاد میں "اسمائے حسنیٰ" کا ورد کرتے اور نعرۂ تکبیر (اللہ اکبر) بلند کرتے۔ ہندوؤں کے پھریروں کے ساتھ بالعموم سؤروں کے دانت معلق ہوتے۔ ادھر مغلوں سے لڑائی کے وقت محمد تغلق نے جھنڈوں کے ساتھ مور کے پروں کو لٹکانے کا حکم صادر کیا۔ ہندوؤں کے جھنڈوں پر خاص نشان ہوتے تھے۔ ان کی دیکھا دیکھی محمد تغلق نے بھی حکم دیا کہ اس کے لشکر کے جھنڈوں پر مچھلی کی تصویر بنا دی جائے۔

---

[1] یہ مثنوی امیر خسرو نے غیاث الدین تغلق کی فرمائش پر ہی مرتب فرمائی تھی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ازاں بعد خسرو خان اور محمد تغلق کے کردار کا تقابل پیش کیا گیا ہے۔ چنانچہ فاضل مؤلف لکھتا ہے کہ خسرو خان نے برسرِ اقتدار آتے ہی قطب الدین کو تہ تیغ کیا اور شہزادوں کو ذبح کر ڈالا۔ لیکن محمد تغلق نے خسرو خان کو شکست دی تو اس کی فوج کے مسلمان جانبازوں کو معاف کر دیا۔ نیز محمد تغلق فتح مند ہو کر دہلی پہنچا تو قصرِ شاہی کے فرش پر عرش والے کے سامنے سجدہ ریز ہو گیا۔ خسرو خان کی سنگ دلی و سفاکی، اور محمد تغلق کی عاجزی اور رحم دلی، دونوں کرداروں کا امتیاز ظاہر و باہر ہے۔

خزائن الفتوح:- امیر موصوف نے سلطان علاء الدین محمد شاہ کے دورِ حکومت (۶۹۵ھ تا ۷۱۵ھ) کے احوال نثر کے قالب میں پیش کیے ہیں۔ دار نگل اور معبر کی کے تاریخی معرکوں کی روئیداد کے پہلو بہ پہلو، رنتھمبور، قلعہ مانڈو، مالوہ، دیوگیر اور تلنگ کی تسخیر کے واقعات بڑے دلچسپ انداز میں قلم بند کیے گئے ہیں۔ مزید برآں جلال الدین کے ملکی نظم و نسق کا تفصیلی تذکرہ ہے۔ مثلاً سلطان موصوف نے کئی نئی مساجد تعمیر کروائیں اور قدیم مساجد از سرِ نو درست کی گئیں مزید برآں شاہ موصوف کے دورِ حکومت میں ہندوؤں کی عبادت گاہیں محفوظ تھیں رعایا پر محصولات کا بوجھ ہلکا کر دیا گیا تھا۔ سرکاری اوزان و پیمانے مقرر تھے۔ گراں فروشی کی روک تھام کے لیے ارزاں دوکانیں کھولی گئیں۔ ہر طرف امن و امان کا دور دورہ تھا۔ راستے پُر امن تھے۔ جرائم پیشہ لوگ اپنی بداعمالیوں سے تائب ہو کر شرافت و شائستگی کے نمونے بن گئے تھے۔ فسق و فجور کی جگہ سارا معاشرہ صلاح و تقویٰ کا نشان بن گیا تھا۔ یہاں تک کہ بازاری عورتیں تائب ہو کر شریفانہ عائلی زندگی گذارنے لگیں۔[1]

اس محققانہ و فاضلانہ تالیف پر تبصرہ کرتے ہوئے پروفیسر کو دیل نے بجا طور پر لکھا ہے "اگرچہ امیر خسرو کا اسلوب نگارش مبالغہ آفرینی اور استعاراتی انداز کا حامل ہے لیکن اس میں واقعات کو پوری صحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ بقول محمد حبیب یہ کتاب کبیر الدین کی محققانہ تصنیف "فتح نامہ" کا تکملہ اور تتمہ ہے۔"[2]

---

[1] خزائن الفتوح

[2] بحوالہ شعر العجم (شبلی نعمانی)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

امیر خسروؒ کا علمی مقام

امیر خسروؒ کے علمی پایے کے بارے میں کچھ کہنا آفتاب کو چراغ دکھانا ہے تاہم چند اہلِ نظر کی آراء اُن کے بارے میں زیبِ قرطاس کی جاتی ہیں

عبدالحامد قادری داستان تاریخ اردو میں لکھتے ہیں۔

"امیر خسرو ان باکمال ہستیوں میں سے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ صدہا سال کے بعد کبھی پیدا کرتا ہے۔ وہ سپاہی بھی تھے، اور عالم بھی! دنیادار بھی تھے اور ولیِ کامل بھی"[1]

تاریخ ادبیات پاکستان و ہند کے مقالہ نگار لکھتے ہیں :-

یہ مثنویاں ایک چشم دید گواہ کا بیان ہونے کی وجہ سے اعلیٰ تاریخی مآخذ شمار ہوتی ہیں۔ اسلوب بیان میں صراحت و وضاحت کا پہلو نمایاں ہے، شاعرانہ مبالغے اور ایہام و ابہام سے کام نہیں لیا گیا۔[2]

ڈاکٹر سید معین الحق کی رائے ہے :-

"امیر خسروؒ کی تاریخی تصانیف میں واقعات کی بعض وہ تفصیلات مل جاتی ہیں جو کہیں اور موجود نہیں، اس کے علاوہ انہوں نے ضروریاتِ شعری کے باوجود تاریخی واقعات کی صحت کا اس قدر التزام کیا ہے کہ اکثر اوقات ان کے بیانات کو مورخوں نے دوسری ہمعصر شہادتوں پر ترجیح دی ہے۔[3]

ڈاکٹر وحید مرزا رقم طراز ہیں۔" ابن بطوطہ اور امیر خسرو نے اپنے عہد کی تاریخ کے بارے میں بڑا بیش قیمت سرمایۂ علم فراہم کیا ہے، جس سے نہ صرف اس دور کے ہندوستان کے تمدنی پہلو کی تصویر نگاہوں کے سامنے آجاتی ہے۔ بلکہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ عہد قدیم حیاتِ نو پاکر ہمارے سامنے جلوہ ریز ہے۔[4]

---

[1] داستان تاریخ اردو ص ۲۰

[2] تاریخ ادبیات پاک و ہند جلد ۳ ص ۲۲۲

[3] معاشری و علمی تاریخ ص ۱۰۲

[4] ارمغانِ علمی ص ۱۷۴ (حصہ بزبان انگریزی)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

شیخ محمد عبداللہ

المعروف

ابنِ بطوطہ

ابن بطوطہ مغربِ اقصٰی مراکش کے شہر طنجہ کے رہنے والے تھے، ابتدائی اور ثانوی تعلیم اپنے وطنِ مالوف میں حاصل کی۔ جوانی میں بیت اللہ کی زیارت، اور روضۂ رسول اللہ پر حاضری دینے اور ہفت اقلیم کی سیر و سیاحت کرنے کا عزم و ولولہ لے کر نکلے،

ابنِ بطوطہ کو مسلمانوں کا سب سے بڑا سیاح تسلیم کیا جاتا ہے۔ جنہوں نے دیار و امصار کی سیاحت میں اٹھائیس برس گزارے، عہدِ شباب میں جب اُن کی عمر بائیس ۲۲ برس کی تھی تب وہ گھر سے نکلے اور جب وہ لوٹ کر آئے تو وہ تقریباً پچاس برس کے معمّر انسان ہو چکے تھے۔ اُن کا مرتب کردہ سفرنامہ "تحفۃ النظار" محض دنیا کے مختلف شہروں، پہاڑوں، دریاؤں کا جغرافیائی بیان ہی نہیں، بلکہ اس دور کے مسلمانوں کی سماجی، تہذیبی، سیاسی اور اجتماعی تاریخ کا ایک سدا بہار گلدستہ بھی ہے۔

ابنِ بطوطہ کا سفرنامہ محض بادیہ پیمائیوں اور صحرا نوادیوں کی روداد نہیں، بلکہ علامہ موصوف کے بے پناہ دینی و ملّی ذوق و شوق کا حسین مرقع بھی ہے، جس کی مثال ڈھونڈنے سے شاید ہی کسی سفرنامے میں ملے۔ اس سفرنامے کے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:

"میں طنجہ سے جمعرات کے روز ۲ ماہ رجب ۷۲۵ھ میں حجِ بیت الحرام اور زیارتِ روضۂ رسول اللہ علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام کے ارادے سے نکلا۔"

"بجایا میں احباب نے مشورہ دیا کہ صحت یاب ہو کر سفر کا آغاز کیا جائے۔ تو میں نے بلا تامّل جواب دیا۔ اگر موت ہی لکھی ہے تو دربارِ رسول کے راستے میں ہی کیوں نہ آئے۔"

ابنِ بطوطہ مدینہ طیبہ میں حاضری دیتے ہیں، تو یوں دست بدعا ہو جاتے ہیں"۔ اللہ تعالیٰ ہماری اس زیارت کو قبول فرمائے اور ہمارا یہ سفر اللہ کے راستے میں لکھا جائے"۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

"مکہ معظمہ میں حاضری کا شرف حاصل ہوتا ہے تو کہہ اٹھتے ہیں" بامر اللہ تعالیٰ کے عجائبات میں سے ہے کہ مقاماتِ شریفہ پر حاضر ہونے کے لئے قلوب مضطرب و مشتاق رہتے ہیں۔ اے مکہ معظمہ کی سرزمین تو ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا قرار ہے، جس کی محبت سرشتِ انسانی میں داخل ہے، اللہ کے فضل و کرم سے جس کی اس منزل تک رسائی ہوگئی۔ گویا اسے بارگاہِ ایزدی سے سعادتِ دارین حاصل ہوگئی۔"

"خانۂ کعبہ شہر کے وسط میں واقع ہے، اس کا منظر بڑا خوشنما ہے اور اس کی شان بڑی دل رُبا ہے، زبان اس کے اوصافِ بدیع کی تعریف سے قاصر اور مدح گو اس کے کمالِ حسن کو بیان کرنے سے عاجز ہیں۔"

"حجرِ اسود کو بوسہ دینے سے ایسی لذت محسوس ہوتی ہے کہ اس سے لب ہٹانے کو جی نہیں چاہتا۔ غرضیکہ مقاماتِ مقدسہ کی تعریف و توصیف میں شرف الدین ابنِ بطوطہ کے اندازِ بیان میں تاثر و تاثیر کی ایک نئی دنیا ہے۔"

تحفۃ النظار کا ورق ورق شاہد ہے کہ مقاماتِ مقدسہ کے پہلو بہ پہلو فاضلِ مؤلف کو دنیا کے دور دراز حصوں کو دیکھنے کا بھی بے پناہ شوق تھا، اور ابنِ بطوطہ کے قدم ایسے ایسے مقامات پر پہنچے ہیں، جہاں پہلے کسی سیاح یا زائر کو رسائی نصیب نہیں ہوسکی۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:۔

"اسکندریہ کے ایک صاحبِ کرامت بزرگ نے مجھے یہ مژدہ جانفزا سنایا کہ 'میں دیکھتا ہوں کہ تم دور دراز ممالک کی سیاحت کرو گے۔"

بصرہ سے واپس جاتے ہوئے ایک باخدا درویش نے مجھے دُعا دی: "اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں تمہاری مُرادیں پوری کرے۔" بحمد اللہ میری دنیوی مراد پوری ہوگئی۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے ایسے مقامات پر پہنچایا، جہاں تک میری دانست میں آج تک کسی سیاح کے قدم نہیں پہنچے۔ اب رہی دوسری تمنا تو مجھے آخرت میں اللہ تعالیٰ کے دامنِ رحمت میں جگہ پانے کی قوی اُمید ہے۔ یہی دو جملے ابنِ بطوطہ کے گوناگوں محرکاتِ سفر پر روشنی ڈالنے کے لیے کافی ہیں!

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

"مکہ معظمہ میں حاضری کا شرف حاصل ہوتا ہے تو کہہ اٹھتے ہیں "یہ امر اللہ تعالیٰ کے عجائبات میں سے ہے کہ مقاماتِ شریفہ پر حاضر ہونے کے لئے قلوب مضطرب و مشتاق رہتے ہیں۔ اے مکہ معظمہ کی سرزمین تو ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا قرار ہے، جس کی محبت سرشتِ انسانی میں داخل ہے، اللہ کے فضل و کرم سے جس کی اس منزل تک رسائی ہو گئی۔ گویا اُسے بارگاہِ ایزدی سے سعادتِ دارین حاصل ہو گئی"

"خانۂ کعبہ شہر کے وسط میں واقع ہے، اس کا منظر بڑا خوشنما ہے اور اس کی شان بڑی دل رُبا ہے، زبان اس کے اوصافِ بدیع کی تعریف سے قاصر، اور مدح گو اس کے کمالِ حُسن کو بیان کرنے سے عاجز ہیں"

"حجرِ اسود کو بوسہ دینے سے ایسی لذت محسوس ہوتی ہے کہ اس سے لب ہٹانے کو جی نہیں چاہتا۔ غرضیکہ مقاماتِ مقدسہ کی تعریف و توصیف میں شرف الدین ابنِ بطوطہ کے اندازِ بیان میں تاثر و تاثیر کی ایک نئی دنیا ہے"

تحفۃ النظار کا ورق ورق شاہد ہے کہ مقاماتِ مقدسہ کے پہلو بہ پہلو فاضلِ مؤلف کو دُنیا کے دور دراز حصّوں کو دیکھنے کا بھی بے پناہ شوق تھا، اور ابنِ بطوطہ کے قدم ایسے ایسے مقامات پر پہنچے ہیں، جہاں پہلے کسی سیاح یا زائر کو رسائی نصیب نہیں ہو سکی۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:-

"اسکندریہ کے ایک صاحبِ کرامت بزرگ نے مجھے یہ مژدہ جانفزا سنایا کہ "میں دیکھتا ہوں کہ تم دور دراز ممالک کی سیاحت کرو گے"

بصرہ سے واپس جاتے ہوئے ایک باخدا درویش نے مجھے دُعا دی "اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں تمہاری مرادیں پوری کرے" بحمد اللہ میری دنیوی مراد پوری ہو گئی۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے ایسے مقامات پر پہنچایا، جہاں تک میری دانست میں آج تک کسی سیاح کے قدم نہیں پہنچے۔ اب رہی دوسری تمنا تو مجھے آخرت میں اللہ تعالیٰ کے دامنِ رحمت میں جگہ پانے کی قوی اُمید ہے۔ یہی دو جملے ابنِ بطوطہ کے گوناگوں محرکاتِ سفر پر روشنی ڈالنے کے لیے کافی ہیں!

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مقبرے کے نگرانِ اعلیٰ مقرر ہوئے۔ ابنِ بطوطہ نے محمد تغلق سے پہلے کے سلاطین دہلی کے تاریخی حالات عہد بہ عہد لکھے ہیں۔ انہوں نے قطب الدین ایبک سے لے کر غیاث الدین بلبن تک کے فرمانرواؤں کے بارے میں قابلِ قدر علمی مواد پیش کیا ہے۔

ابنِ بطوطہ ضیاء الدین برنی کی طرح سلطان محمد تغلق کو "مجموعۂ اضداد" قرار دیتا ہے، فاضل سیاح ہمیں بتاتا ہے کہ ایک طرف اس پُر وقار فرمانروا کی سخاوت کی دھوم تھی۔ واعظ، خطیب، شاعر، ادیب سب اس کی گرم گستری کے ثناء خواں تھے۔ دوسری طرف محمد تغلق کی قساوتِ قلبی اور سخت گیری کا یہ عالم تھا کہ شہ موصوف نے اپنی سوتیلی ماں اور سوتیلے بھائی کو یکے بعد دیگرے قتل کر ڈالا۔ اور سندھی علماء پر "اقرارِ جرم" کے سلسلے سفاکانہ مظالم ڈھائے۔ شہ موصوف نے شیخ زادہ ہُود کو خود ہی سجادہ نشین بنایا۔ اور خود ہی موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ خطیب الخطباء کو اتنا پٹوایا کہ وہ جاں بحق ہو گیا۔ اور بقول ابنِ بطوطہ "شاید ہی کوئی دن خالی جاتا ہو جب کوئی انسان تہ تیغ نہ کیا جاتا ہو۔ ستم بالائے ستم اکثر و بیشتر مقتولوں کی لاشیں قصرِ شاہی کے باہر ٹنگی رہتی تھیں۔"

ابنِ بطوطہ ہندوستان کے تہذیب و تمدن، خصوصاً ہندوؤں کے رسم و رواج مثلاً ستی وغیرہ کا اتنا تفصیلی تذکرہ کیا ہے کہ یہ سفرنامہ تمدنی و تاریخی معلومات کا حسین گلدستہ بن گیا ہے۔

ابنِ بطوطہ شیخ شہاب الدین کے حد درجہ عقیدت مند تھے۔ جو سرآمد روزگار صوفی بزرگ تھے۔ البتہ محمد شاہ تغلق کے معتوب تھے۔ چنانچہ حکمِ شاہی سے ابنِ بطوطہ کے دیوان خانے پر بھی پہرہ لگ گیا۔ جو شیخ موصوف کی شہادت کے بعد موقوف ہوا۔ جس سے ابنِ بطوطہ کا دل شاہی ملازمت سے کھٹا ہو گیا۔ چنانچہ ابنِ بطوطہ نے بادشاہ سے زیارتِ کعبہ کی اجازت طلب کی۔

محمد شاہ تغلق نے ابنِ بطوطہ کے دل کی بات پڑھ لی۔ اور خاقانِ چین کی جانب اُسے بطور سفیر روانہ کر دیا۔ سیاح موصوف گوالیار اور مالوہ کی راہ سے دولت آباد پہنچے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اور دیارِ ہند کی سیر کرتے ہوئے، مغربی گھاٹ، مالابار اور کالی کٹ ہوتے ہوئے مالدیپ آئے۔ مابعد لنکا آئے، اور سراندیپ کی سیاحت فرمائی اور بنگال، جاوہ، سیام، کمبوڈیا، کے چپے چپے کی خاک چھانتے ہوئے چین کے دارالحکومت پیکن پہنچے۔ جہاں انہوں نے خاقانِ چین کو محمد شاہ تغلق کا نامہ و پیام پہنچایا۔ وہاں سے واپسی پر دہلی جانے کی بجائے، ابنِ بطوطہ نے دوبارہ شام و ایران کی دوبارہ سیاحت فرمائی، اور تاہرہ سے ہوتے ہوئے اپنی والدۂ ماجدہ کے مدفن پر حاضری دینے کی غرض سے شہر طنجہ پہنچے۔ جہاں اُن کی اٹھائیس سالہ رہ نوردی کا ہنگامہ خیز دور ختم ہوگیا۔

بالآخر مراکش کے سلطان ابوعنان کے ایماء پر ابنِ بطوطہ نے اپنا سفرنامہ اپنے ایک، عالم محمد بن جزی کو املاء کروا دیا۔ اور ۵۷ شمہ میں اس دارِ فانی سے عالمِ جاودانی کو کوچ کر گئے لیکن اپنے پیچھے "تحفۃ النظار" جیسا غیر فانی شہ کار بطور یادگار چھوڑ گئے۔ جو سفرناموں کی تاریخ میں اپنی مثال آپ ہے۔ اور تاریخی معلومات کا ایسا لازوال مرقع ہے، جس کے باعث ابنِ بطوطہ کا شمار درجۂ اول کے سیاحوں اور مورخوں میں ہوتا ہے۔

ذاتی کردار : ابنِ بطوطہ شوقِ سفر اور ذوقِ سیاحت کے پہلو بہ پہلو اولوالعزمی، حوصلہ مندی اور ثابت قدمی کی صفات سے بہرہ مند تھے۔ وہ ایک ایسے من چلے انسان ہیں جن کے عزمِ صمیم کو بڑے سے بڑے خطرات متزلزل نہ کر پائے، کہیں وہ جنگلی جانوروں کا شکار بنتے بنتے رہ جاتے ہیں، تو کہیں ڈوبتے ڈوبتے بچ جاتے ہیں کہیں وہ بحری قزاقوں کے ہتھے چڑھ جاتے ہیں۔ اور کہیں وہ زنوں کی چیرہ دستیوں کا شکار ہو جاتے ہیں، مگر اُن کے شوقِ راہ نوردی اور صحرا گردی میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اُن کے قدم پیچھے نہیں ہٹتے، بلکہ آگے ہی آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ اٹھائیس برس کی مدت میں ابنِ بطوطہ چار مرتبہ فریضۂ حج کی ادائیگی کی سعادت حاصل کرتے ہیں، اور سات ہزار پانچ سو میل کی مسافت طے کر لیتے ہیں۔

سفرنامے کی اہمیّت : محمد ابن جزی نے سلطان ابوعنان (سلطان المغرب) کی فرمائش پر ابنِ بطوطہ کا سفرنامہ قلم بند کیا تھا۔ وہ سفرنامے کے آخر میں رقمطراز ہیں کہ شیخ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ابنِ بطوطہ کو اگر دنیائے اسلام کے تمام سیاحوں کا امام قرار دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

علامہ ابنِ خلدون، جو ابنِ بطوطہ کے معاصرین میں سے ہیں، اپنی تصنیف "المقدمہ" میں ابنِ بطوطہ کے سفرنامے کا بڑے ادب و احترام سے ذکر فرماتے ہیں۔

تحفۃ النظار کی تلخیص کے مقدمے میں مولانا عتیق الرحمان عثمانی ابنِ بطوطہ کے بارے میں لکھتے ہیں۔ "ابنِ بطوطہ مختلف علوم و فنون میں کامل دستگاہ رکھنے کے ساتھ نگہہ دوربین رکھتا تھا۔ اس لیے وہ جہاں کہیں گیا۔ وہاں کے سیاسی، سماجی علمی، ادبی حالات کا بڑی دقیقہ رسی کے ساتھ مطالعہ کیا۔ وہ کہیں بادشاہوں کے دربار میں اعزاز و اکرام کی کسی بڑی مسند پر جلوہ افروز نظر آتا ہے۔ تو کبھی صوفیائے کرام کی مجلسِ وجد و حال میں شریک دیکھا جاتا ہے۔ اس بنا پر اس کا سفرنامہ جہاں بے حد دلچسپ اور دل آویز ہے۔ وہ نایاب و کمیاب معلومات کا گنجینہ بھی ہے۔"

عبدالرحمٰن خان ابنِ بطوطہ کے پیش رو سیاحوں کے سفرناموں کے اجمالی تذکرے کے بعد لکھتے ہیں۔ "ان تمام سیاحوں کے سفرنامے محمد بن عبداللہ شیخ ابن بطوطہ کے سفرنامے کے سامنے مدہم پڑ جاتے ہیں۔"

دائرۃ المعارف اسلامیہ میں ابنِ بطوطہ کے زیرِ عنوان درج ہے۔ "ابنِ بطوطہ کا سفرنامہ محض ایک تقویم البلدان اور ان ملکوں کا جغرافیہ، اور وہاں کے شہروں، پہاڑوں اور دریاؤں کا بیان ہی نہیں، بلکہ اس دور کے مسلمانوں کی اجتماعی تاریخ کی ایک مفید، دلچسپ اور عبرت انگیز داستان بھی ہے۔

تحفۃ النظار کے (اردو ترجمہ) کے مقدمہ نگار، محمد اقبال سلیم لکھتے ہیں:
ابنِ بطوطہ کوئی عام مسافر نہ تھا۔ اس کا زادِ راہ معمولی سہی، لیکن اس کا حاصلِ سفر غیر معمولی ہے۔ اس نے زبانِ قلم سے جو روداد لکھی ہے۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

علامہ ضیاء الدین برنی

(تاریخ فیروز شاہی)

علامہ ضیاء الدین برن (حال بلند شہر) کے رہنے والے تھے اور دنیائے علم و فضل میں ضیا برنی کے لقب سے یاد کیے جاتے ہیں۔ علامہ موصوف ایک معزز علمی گھرانے کے چشم و چراغ ہیں۔ انہوں نے ایسے یگانۂ روزگار اساتذہ و شیوخ سے فیض پایا جو قابلیت و علمیت میں غزالی و رازی کے ہم پلہ مانے جاتے ہیں۔ محمد بن تغلق نے علامہ موصوف کو اپنے دربار میں جگہ دی۔ اور سلطان فیروز شاہ تغلق نے انہیں اپنا مصاحب و مشیر بنایا۔

ضیاء الدین برنی کثیر التصانیف بزرگ ہیں۔ ثنائے محمدی، صلوٰۃ کبیر، عنایت نامہ، مآثر سادات، حسرت نامہ، فتاویٰ جہاں داری، تاریخ برامکہ اور تاریخ فیروز شاہی اُن کی یادگارِ زمانہ تصانیف ہیں۔ آپ نے طویل عمر پائی اور ۷۸۵ھ میں انتقال فرمایا۔ اور ان کی خوش بختی کہ اپنے مربّی و مرشد، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے مزار کے پاس دفن کیے گئے۔

ضیاء برنی کو اس بات کا دلی قلق ہے کہ فنِ تاریخ حد درجہ غفلت اور بے اعتنائی برتی جا رہی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں: "علم تاریخ کو سیکھنے کا شوق اگر کم مایہ لوگوں میں نہ ہو، تو کوئی مضائقہ نہیں۔ لیکن تعجب تو اس امر پر ہے کہ عہد حاضر کے علمائے دین، اور حکومت کے عمائدین میں بھی یہ اعلیٰ علم سیکھنے کا ذوق و شوق سرے سے مفقود ہے۔ ازاں بعد علم تاریخ سے اپنی قلبی شیفتگی کا ذکر یوں فرماتے ہیں:

"قارئین کرام کو اس تاریخی تصنیف کی اہمیت و افادیت کا اندازہ یوں ہو جائے گا کہ اس تصنیف میں علم تاریخ کے مقاصد کی ایک نئی دنیا آباد ہے اور سیاست و جہانداری کے اصول قلم بند کر دیے گئے ہیں، جن پر عمل کر کے ملوک و سلاطین، زعماء و

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

عمائدینِ حکومت اپنی دُنیا و آخرت سنوار سکتے ہیں۔

تاریخ کے فوائد: اپنی ممتاز تصنیف کے مبسُوط مقدمے میں فاضل مصنّف نے فنِ تاریخ کے چند در چند فوائد بیان فرمائے ہیں:

اوّل: یہ شعبۂ علم، اربابِ بصیرت کے لیے سرمایۂ اعتبار ہے کیونکہ آسمانی صحیفوں میں اُمم سابقہ کے قصّے مذکور ہیں، جن کی صداقت پر کوئی شُبہ نہیں کیا جا سکتا۔

دوئم: اس شعبۂ علم کا تعلق خصوصی طور پر علمِ حدیث سے ہے جو بلاشبہ فنِ تفسیر کے بعد اشرف و اعلیٰ علم ہے۔

سوئم: اس علم کی بدولت انسان دوسروں کے معاملات سے آگاہ ہو کر صاحبِ فہم و بصیرت ہو جاتا ہے۔

چہارم: عام قاری جب تاریخ کے جھروکے سے دیکھتا ہے کہ مشاہیر نے حوادثِ روزگار کا کس طرح مردانہ وار مقابلہ کرتے ہوئے عروج و کامرانی کے مرحلے طے کئے، تو وہ بھی حوصلہ مند اور باہمّت ہو جاتا ہے۔

پنجم: فنِ تاریخ کا طالب علم جب اولوالعزم انبیاء اور باعزیمت صلحاء کو مصائب و حوادث میں صبر و رضا کا رویّہ اپنائے ہوئے دیکھتا ہے تو اس میں بھی عالی حوصلگی و عزیمت اور صبر و قناعت کے خصائص اُبھرتے ہیں۔

ششم: سربراہانِ مملکت اور عمائدینِ ریاست، مطالعۂ تاریخ سے نیکی و عدل کی طرف مائل ہو جاتے ہیں اور ظلم و استبداد کی راہ پر چلنے سے باز رہتے ہیں۔

ہفتم: علمائے تاریخ کی صدقِ بیانی کی اعلیٰ روایات سے معاشرے میں راست گوئی کی اقدار کو فروغ حاصل ہوتا ہے۔

مؤرخ کیلئے شرائط: ضیاء الدّین برنی نے تاریخ فیروز شاہی میں تاریخ نویس کے لیے پانچ شرائط قرار دی ہیں:

اوّل: تاریخ نگار کے لیے یہ لازم ہے کہ وہ صداقت شعار اور راست باز ہو۔

دوئم: مسلمان مؤرخ کو ایماندار اور دیانت دار ہونا چاہیئے کیونکہ بے دین اور بدعقیدہ لوگ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

تاریخ نگاری کا حق نہیں ادا کر سکتے۔

سوئم: مؤرخ اگر کسی فرمانروا کی خوبیاں بیان کرے تو لازم ہے کہ اس کی خامیوں کو بھی اُسی طرح بلاکم و کاست بیان کرے۔

چہارم: تاریخ نویس کسی طور پر درباریوں کی سی مداحی اور چاپلوسی کا انداز نہ اختیار کرے۔

پنجم: اگر کوئی مؤرخ اپنے معاصر حکام و سلاطین کے نقائص بیان کرنے کی ہمت نہ رکھتا ہو۔ تو وہ قابلِ معافی ہے۔ البتہ ماضی کے واقعات کی سچی تصویر کشی سے اُسے کوئی امر ہرگز مانع نہ ہونا چاہئیے۔

انصاف پسندی اور حق گوئی:

ضیاء الدین برنی نے غیاث الدین بلبن، علاؤالدین خلجی، محمد تغلق اور فیروز شاہ، ان ممتاز فرمانرواؤں کے حالات بالتشریح لکھے ہیں۔ اور ان نامور سلاطین کی خوبیوں اور خامیوں کو ساتھ ساتھ بیان کرنے کا حق ادا کر دیا ہے۔ اس ضمن میں انہوں نے سلطان علاؤالدین اور قاضی مغیث کا تاریخی مکالمہ نقل فرمایا ہے۔ کہ سلطان علاؤالدین کے دربار میں قاضی مغیث نے سلطان موصوف کو بیت المال پر ناجائز تصرف سے ٹوکا۔ اور سلطان نے بپھر کر کہا۔ "کیا تو میری تلوار سے نہیں ڈرتا؟" تو قاضی مغیث نے مسکرا کر جواب دیا "میں صرف مالک الملک کی تلوار سے ڈرتا ہوں۔ اور کفن بر دوش رہتا ہوں!"

فاضل مؤرخ ہمیں ایک طرف علاؤالدین خلجی کے بارے میں بتاتے ہیں کہ شہ موصوف نے ہندوؤں کے شیرازے کو منتشر، اور فسق و فجور کی طاقتوں کو زیر و زبر کر دیا۔ اس کے دورِ حکومت میں ایک طرف اشیائے ضرورت کی ارزانی تھی۔ اور تاجروں پر کڑی نگرانی تھی۔ تاکہ وہ گراں فروشی نہ کر سکیں۔ لیکن دوسری طرف مؤرخ ممدوح علاؤالدین کی خامیوں کو بھی بے نقاب کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

(۱) حکومتِ وقت نے حریصوں اور جاہ طلبوں کو احکامِ شرع سے متعلق وسیع اختیارات دے رکھے ہیں۔ جن کا وہ غلط استعمال کرتے ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

(۲) احکامِ شرعیہ کے نفاذ سے تغافل برتی جارہی ہے۔ اور حکومت چشم پوشی سے کام لے رہی ہے۔

(۳) شہ موصوف نے دنیا پرست علماء کو جھوٹے سچے فتاوٰی جاری کرنے کی ہدایت دے رکھی ہے۔

ضیاء الدین برنی نے سلطان محمد کا مشیر و مصاحب ہونے کے باوجود اس کی خوبیوں اور خامیوں دونوں کو بیان کیا ہے۔ چنانچہ ایک طرف وہ اس کی علو ہمتی، پاکیزہ نفسی اور عالی حوصلگی کی توصیف بیان کرتا ہے تو دوسری طرف اس کی درشت خوئی سخت گیری اور سفاکی پر سخت تنقید کرتا ہے۔ خواجہ عبدالحمید یزدانی کے الفاظ میں، برنی میں اتنی جرأت تھی کہ وہ اپنی رائے ایک سخت گیر فرمانروا کے سامنے پیش کر سکے۔ اسی طرح برنی کا عقیدہ ہے کہ اگر بادشاہوں کے اعمال کا کما حقہٗ احتساب کیا جائے تو اس سے انتظامیہ اور عدلیہ، دونوں کی اصلاح ہو سکتی ہے اور اس طرح تہذیب و تمدن کا عمل ارتقاء جاری رہتا ہے۔ اس طور تاریخ کا علم، عبرت اور بصیرت کا وسیلہ بن جاتا ہے برنی کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اُس نے تاریخ کو واقعہ نگاری یا مدح سرائی کے دائرے تک محدود نہیں رکھا، بلکہ تاریخ کو ایک تہذیبی عامل تصور کیا۔

چونکہ ضیاء الدین برنی کی شخصیت متنازعہ فیہ ہے۔ اس لیے ہم اُن کے بارے میں مخالفانہ و موافقانہ ہر دو قسم کے تبصرے نقل کرتے ہیں۔

مخالفانہ تبصرے: اکبر شاہ نجیب آبادی فرماتے ہیں۔ "ضیاء الدین اپنی تاریخ میں اکثر ترتیب زمانی کو ملحوظ رکھتا ہے۔ اور تاریخی واقعات کو بقید سنِ و سال بیان کرتا ہے۔ لیکن محمد تغلق کے حالات میں یہ چیز بالکل غائب ہو جاتی ہے۔ وہ محمد تغلق کے چھوٹے سے چھوٹے عیب کا ذکر کیے بغیر نہیں چھوڑتا، بلکہ اُس کے عیبوں کو تلاش کرتے وقت، اور اُس کی برائیوں کو بیان کرنے میں نہایت ہوشیاری کے ساتھ مسحور کن الفاظ اور مؤثر لہجہ اختیار کرتا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ واقعات اور حوادث کی ترتیب زمانی کو بگاڑ کر اُن کو اس طرح مرتب کر دیتا ہے کہ پڑھنے والا خواہ مخواہ اس سلطان سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

متنفر ہو جاتا ہے [1]

"مولانا عبدالقدوس ہاشمی فرماتے ہیں ۔" آخر عمر میں سلطان محمد تغلق نے مصنّف کی زمینیں ضبط کرلی تھیں۔ اس لیے برنی محمد شاہ تغلق کی عیب جوئی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتا۔ ساری کتاب میں ہر جگہ محمد شاہ پر تعریف و توصیف کے پردے میں کچھ نہ کچھ چوٹ کر جاتا ہے [2]

چوہدری نبی احمد سندھلوی رقمطراز ہیں ۔" جب سلطان تغلق کا زمانہ آیا تو اس نے برن کے علاقے کو میاں دوآبہ ہونے کی وجہ سے ضبط کرلیا۔ جس کے سبب برنی تمام عمر نعل در آتش رہا۔ سلطان محمد تغلق کا مصاحب خاص اور اُن کی ہر مجلس کا شریک تھا۔ لیکن جاگیر کا معاملہ برنی کے دل میں کھٹکتا رہا۔" [3]

تقریظات : بایں ہمہ بہت سے مبصّرین و محققین نے ضیاء الدین برنی کی ناقابل فراموش علمی خدمات کا فراخ دلی سے اعتراف کیا ہے۔

ضیاء الدین برنی کے سب سے بڑے نقاد اکبر شاہ خان نجیب آبادی لکھتے ہیں "ضیاء برنی بہت معتبر مؤرخ مانا جاتا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ تاریخ نویسی کے معاملے میں اس کا مرتبہ بہت ہی بلند ہے۔ اس نے جو کچھ لکھا ہے، بڑی احتیاط، اور کامل تحقیقات کے بعد لکھا ہے۔ جس کے لیے اس کی تاریخ خود شاہد عدل ہے لیکن محمد تغلق کے متعلق اس کی تاریخ کا جو حصّہ ہے وہ تاریخ کے باقی حصص سے بالکل جداگانہ حیثیت رکھتا ہے"۔ [4]

مؤلفین دربارِ ملّی کی رائے یہ ہے ۔" تاریخ نگاری کے بارے میں ضیاء برنی کا ایک خاص مسلک ہے۔ اُس کا نظریہ تاریخ محدود اور ناصحانہ سہی۔ لیکن اسے فنِ

---

[1] آئینہ حقیقت نما۔ صفحہ ۲۱۸

[2] تعارف مترجم تاریخ فیروز شاہی مصنفہ سراج عفیف صفحہ ۳

[3] تذکرۂ مؤرخین صفحہ ۴۳

[4] آئینہ حقیقت نما صفحہ ۲۱۷

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

تاریخ نویسی کی ذمہ داریوں کا احساس ضرور تھا۔ اس نے تاریخ کو تاریخی فن پارے کا درجہ دے دیا ہے [۱]

ایس ایم اکرام لکھتے ہیں: "ضیاء الدین برنی کا طرہ امتیاز یہ ہے کہ اس نے معاصر مشاہیر پر بڑی بے باکی سے تنقید کی ہے اور یہی ایک خوبی اُسے مؤرخین کی صفِ اوّل میں جگہ دلانے کے لیے کافی ہے [۲]

تاریخ فیروز شاہی کے مترجم سید معین الحق کے الفاظ میں "ضیا برنی کی تاریخ فیروز شاہی ہمارے تاریخی ادب میں کلاسیکی مقام رکھتی ہے۔ اور اپنی بعض خصوصیات کی وجہ سے اہم ترین ماخذوں میں سے ایک ہے۔ یہ صحیح ہے کہ اُس کی حیاتِ مستعار میں مذکورہ کتاب نے شہرت حاصل کی۔ اور نہ اس کا کوئی صلہ ملا۔ لیکن مصنف اور اس کی تصنیف، دونوں کی دوامی شہرت سے اس کی تلافی ہوگئی ہے۔ برنی نے اپنے زمانے اور ہمعصروں کی ناقدر شناسی کا گلہ کیا ہے، جس میں وہ یقیناً حق بجانب ہے۔ مگر بعد کی نسلوں کی قدر دانی نے اُس کی یہ شکایت دور کر دی ہے" [۳]

خواجہ عبدالحمید یزدانی لکھتے ہیں "جس دیانت داری سے واقعات کو قلمبند کرنے پر وہ زور دیتا ہے۔ اور جس ذاتی مشاہدے اور ناقدانہ نظر کو وہ اپنے سامنے رکھتا ہے اُس سے مؤرخ برنی کی عظمت کا ہم صحیح اندازہ کر سکتے ہیں [۴]

موافق و مخالف دونوں تبصروں کا تجزیہ کیا جائے تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ تمام ناقدین ضیاء الدین برنی کی مؤرخانہ عظمت کے معترف و ثنا خواں ہیں۔ البتہ بعض ناقدین کو فاضل مؤرخ سے صرف (جزوی) اختلاف ہے کہ انہوں نے محمد تغلق سے مؤرخانہ انصاف سے کام نہیں لیا اور فرمانروائے موصوف کے کردار کی غیر جانبدارانہ تصویر پیش نہیں کی

---

[۱] دربار ملی صفحہ ۴۶

[۲] رود کوثر

[۳] تاریخ فیروز شاہی ترجمہ از سید معین الحق صفحہ ۴۲

[۴] تاریخ ادبیات مسلمانانِ ہند جلد سوم صفحہ ۲۷۹

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

علامہ شمس سراج عفیف

(تاریخ فیروز شاہی)

شمس سراج عفیف بن سعد الملک ۷۵۱ھ میں پیدا ہوئے۔ ضیاء الدین برنی کی طرح انہوں نے بھی اپنے دور کے متبحر علماء اور نامور شیوخ سے کسبِ فیض کیا خصوصاً خواجہ نظام الدین اولیاؒ کے جانشین قطب الدین (شیخ ہانسی) سے انہوں نے روحانی علوم و فیوض حاصل کیئے۔

اگرچہ شمس سراج عفیف، ضیائے برنی کی طرح نہ صاحب طرز ادیب ہیں اور نہ نقادانہ ذہن رکھتے ہیں۔ پھر بھی انہوں نے فیروز شاہ کے بارے میں واقعات کی تحقیق، ترتیب اور پیش کش میں بڑی قابلیت اور معقولیت کا ثبوت دیا ہے۔ ان کی تصنیف کا مرکزی کردار فیروز شاہ تغلق ہے۔ دوسرے تمام مباحث ضمنی حیثیت رکھتے ہیں!

سیاسی تصورات:۔ اس گراں مایہ تصنیف کی ابتداء میں محققانہ و عالمانہ مقدمہ ہے، جس میں فاضل محقق کے سیاسی افکار مذکور ہیں۔ خصوصاً مثالی فرمانروا کی دس خصوصیات مندرج ہیں (جنہیں وہ مقامات کا نام دیتے ہیں)

۱۔ مقامِ شفقت ——— مخلوقات پر عنایاتِ خسروانہ یا کرم گستری

۲۔ مقامِ عفو ——— رعایا سے حلم و بردباری کی روش

۳۔ مقامِ عدل و فضل ——— مظلوموں کی فریاد رسی اور محتاجوں کی دستگیری

۴۔ مقامِ مقاتلہ و محاربہ ——— نفسانی وسوسوں اور طاغوتی طاقتوں سے رزم آزمائی۔

۵۔ مقامِ ایثار و افتخار ——— محتاجوں کی دستگیری و حاجت روائی

۶۔ مقامِ عظمت و رُعب ——— رعایا کو خلافِ شرع اعمال سے روکنے کیلیئے قوت و شوکت کا اظہار

۷۔ مقامِ ہوشیاری و بیداری ——— ملکی اُمور اور اجتماعی مسائل سے وقوف و آگہی۔

۸۔ مقامِ انتباہ و عبرت ——— ماضی کے حالات و واقعات سے نصیحت آموزی اور عبرت پذیری

۹۔ مقامِ فتح و نصرت ——— دشمنوں پر غلبہ پانے کی صلاحیت اور خوبی

۱۰۔ مقامِ کیاست و فراست ——— دانشمندی اور پیش بینی کے اوصاف

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

جزوِ اوّل :- علامہ شمس سراج عفیف، فیروز شاہ کے دورِ حکومت کی ابتداء میں لکھتے ہیں :-
کہ ۲۴ ماہ محرم ۷۵۳ھ میں فیروز شاہ اورنگِ شہی پر جلوہ افروز ہوا۔ اس نے شفقتِ مادری اور کرم گستری کو اپنا دستور العمل بنایا۔

؎ نگہ کن کہ چو مادرِ مہد سنج
برآں طفلِ خود چند برداشت رنج

جبکہ فیروز شاہ سے پہلے فرمانروا سخت گیر تھے اور ان کا عمل اس شعر پر تھا۔

؎ مُلک را گر قرار می خواہی!
تیغ را بے قرار باید داشت

علامہ ممدوح فیروز شاہ کے بارے میں ہمیں یہ بتاتے ہیں کہ یہ شاہِ ذی شان اپنی رعایا سے کمالِ لطف و کرم سے پیش آتے تھے۔ رعایا کی خطاؤں سے چشم پوشی کرتے تھے۔ البتہ قتل اور چوری جیسے سنگین جرائم پر مؤاخذہ فرماتے تھے۔ کیونکہ ایسے جرائم کو معاف کر دینے سے عوام الناس کے بنیادی حقوق تلف ہو جاتے ہیں۔ رعایا کے حقوق کی اہمیت کو شمس الدین عفیف نے ایک مثال سے یوں واضح فرمایا ہے کہ فیروز شاہ شیخ قطب الدین منور کے آستانۂ عالیہ پر حاضر ہوئے تو شیخ موصوف نے انہیں پند و نصائح کرتے ہوئے فرمایا: "اس دعا گو نے سُنا ہے کہ آنجناب شراب سے شغل فرماتے ہیں جس سے اہلِ حاجت کی کاربرآری میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے۔" فیروز شاہ اِس نصیحت سے اتنا متاثر ہوا کہ شیخ ممدوح سے وعدہ کیا "انشاءاللہ اب شغلِ مے نوشی سے باز رہوں گا۔" اور وہ عمر بھر اپنے عہد و میثاق پر قائم رہا۔

پندرھویں باب میں فاضل مؤرخ نے فیروز شاہ کے دور انقلابی قوانین کے اجراء و نفاذ کی تصریح فرمائی ہے :-

اوّل : دیہات و قصبات کے محاصل، تنخواہ کی مد سے تقسیم کرنا۔

دوئم : اُمرا و حکام کی وفات کے بعد، ان کے بیٹوں، دامادوں اور غلاموں تک کو جاگیروں کی وراثت میں شریک ٹھہرانا!

مزید برآں اٹھارھویں باب میں اکیس ۲۱ سکّوں کی تفصیل درج ہے جو فیروز شاہ نے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اپنے دورِ اقتدار میں جاری کیے۔

جُزوِ دوئم:۔ اس گراں مایہ تصنیف کے دوسرے حصّے میں فیروز شاہ کی فتوحات کا تذکرہ ہے خصوصاً سلطان شمس الدین کے ساتھ شاہِ موصوف کی جنگ کا حال بڑا مفصّل ہے۔ اس فرمانروا پر فیروز شاہ نے فیصلہ کن فتح پانے کے بعد "حصارِ فیروز" کی تعمیر بڑے اہتمام سے کروائی۔ ازاں بعد اپنے پیرو مرشد قطب الدین منوّر سے درخواست کی کہ وہ اپنے قدوم میمنت لزوم سے اس سرزمین کو مشرف فرمائیں تاکہ یہ نو آباد قطعۂ ارضی حوادثِ روزگار سے محفوظ و مصئون رہے۔ نیز جمنا کے کنارے شہِ موصوف نے فیروز آباد جیسا پُررونق شہر آباد کیا۔

جُزوِ سوئم:۔ تالیف کے اس حصّے میں فیروز شاہ کی رزم آرائیوں اور عسکری کارناموں کا بیان ہے جن کی تفصیل بخوفِ طوالت قلم انداز کی جاتی ہے۔

جُزوِ چہارم:۔ اس حصّے میں فیروز شاہ کی زرّیں اصلاحات اور تہذیبی خدمات کا تفصیلی بیان ہے۔ اس سلسلہ میں فاضل مؤرخ رقم طراز ہے:۔ "اس عہدِ زرّیں میں مال وزر کی فراوانی تھی۔ اشیائے ضرورت کی اتنی ارزانی تھی کہ لوگ عہد علائی کی فارغ البالی اور مرفّہ الحالی کو بھول گئے اور ہر خاص و عام بادشاہ کا کلمہ پڑھنے لگا۔

ساتویں باب میں فیروز شاہ کے عساکر و خدام کا تذکرہ ہے۔ جبکہ گیارھویں باب میں فیروز شاہ کی تعمیر کردہ عمارات کے فنی محاسن کو بے نقاب کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں مؤرخ عفیف لکھتا ہے کہ شاہِ موصوف نے ایک سو بیس سرائیں بنوائیں، جن میں مسافر بطور "مہمانِ شاہی" قیام و طعام کا معاوضہ ادا کیے بغیر تین دن گذار سکتے تھے۔ مزید برآں اس پاک طینت اور نیک نفس فرمانروا نے شاہانِ ہند اور اولیائے ہند کے مقبروں اور مزاروں کی زینت و آرائش کا خصوصی اہتمام فرمایا۔

جُزوِ پنجم:۔ اس جزو میں ان غیر شرعی اُمور کا ذکر ہے جو فیروز شاہ نے قانوناً ممنوع قرار دے دیئے تھے۔ مثلاً:

اوّل: فیروز شاہ نے خلوت خانہ کے مصوّروں کو تاکید فرمائی کہ وہ جانداروں کی تصاویر بنانے کی بجائے غیر ذی رُوح اشیاء مثلاً مناظرِ قدرت کے نقش و نگار بنائیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

دوئم: شاہِ موصوف نے بنفسِ نفیس سونے چاندی کے برتنوں میں خورد و نوش کی بجائے مٹی اور پتھر کے ظروف استعمال کیئے۔

سوئم: تمام خلافِ شریعت محصولات ختم کر دیئے جائیں۔

چہارم: غیر مسلموں پر جزیہ عائد کر دیا گیا۔ جس کی وصولی کے لیے سرکاری عہدے دار مقرر کئے جائیں۔

پنجم: سینکڑوں، ہزاروں قیدیوں کی رہائی کا اعلان کیا گیا۔

ششم: جملہ مساجد میں تنخواہ دار آئمہ مساجد اور موذنین کی تقرری عمل میں لائی گئی۔

ہفتم: اس نیک نفس فرمانروا نے عوام سے براہِ راست رابطہ استوار کیا تاکہ اگر عمّال دادرسی میں غفلت برتیں تو بنفسِ موصوف کی ذاتی توجہ سے مظلوم کی فریاد رسی ہو سکے[1]

تقابلی مطالعہ

ضیاءالدین برنی اور شمس سراج عفیف دونوں نے اپنی تصانیف کا نام "تاریخ فیروز شاہی" رکھا۔ اس لیے اکثر ناقدین کرام نے ان دونوں معاصر مؤرخین کی تصانیف کا تقابلی مطالعہ اور موازنہ کیا ہے۔

(۱) نجیب اکبر شاہ خان لکھتے ہیں کہ شمس سراج عفیف نے کسی جگہ متانت اور سنجیدگی کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ لیکن ضیاءالدین برنی کی تاریخ کے بعض صفحات جہاں وہ کسی جشن یا مجلسِ عیش کا ذکر کرتا ہے، اس قابل نہیں کہ کوئی بیٹا اپنے باپ کو یا کوئی باپ اپنے بیٹے کو پڑھ کر سنا سکے[2]

(۲) مولانا عبدالقدوس ہاشمی کا خیال ہے کہ " انگریزوں کے دور میں جب ہندوستان کی تاریخ لکھی جانے لگی تو انہوں نے ایسی کتابیں تلاش کیں جن میں مسلمان

---

[1] باب دوئم، باب چہارم، باب پانزدہم ملاحظہ ہوں۔

[2] آئینہ حقیقت نما ص

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بادشاہوں کے عیوب کو نمایاں کیا گیا ہو۔ اس لیے ضیاء الدین برنی کی کتاب کو نسبتاً زیادہ اہمیت حاصل ہو گئی۔ ورنہ اصل اہمیت عفیف کی تالیف کو حاصل ہوتی[1]

(۳) خواجہ عبدالحمید یزدانی کی رائے میں۔ "شمس سراج عفیف کی تصنیف برنی کی تاریخ فیروز شاہی کو نہیں پہنچتی۔ تاہم کئی اعتبار سے اس کے بیانات کو تقویت ضرور دیتی ہے[2]

(۴) پروفیسر ایم جی رسول کا خیال ہے۔ "کہ عفیف کا اسلوب بیان تشنہ اور تخیلاتی سا ہے۔ جبکہ برنی کا انداز تحقیق و نگارش حقیقت پسندانہ ہے۔ شمس سراج عفیف نے محض واقعات درج کر دیئے ہیں جبکہ ضیا برنی نے تاریخی واقعات کے اسباب و نتائج میں ربط پیدا کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے[3]

قصیدۂ منثور کا الزام

ممکن ہے کہ کوئی کوتاہ بین، تاریخ فیروز شاہی کو قصیدۂ منثور قرار دے لیکن فیروز شاہ کی جامع الکمالات شخصیت کی عظمت کے اپنے بیگانے سب مداح ہیں۔ مثلاً ہندو مورخ سبحان رائے فیروز شاہ کے بارے میں رقم طراز ہے۔ "شہ موصوف نوے برس کی عمر میں وفات پا گئے اور آنے والی نسلوں کے لیے اچھا نام یادگار چھوڑ گئے۔"

تصنیف کا علمی پایہ: مستشرقین نے بھی شمس سراج عفیف کو فراخ دلی سے خراج تحسین پیش کیا ہے۔ مثلاً پی ہارڈی کا خیال ہے کہ عفیف نے مستند مصادر و منابع سے سرمایۂ علم فراہم کیا ہے[4] اور پروفیسر ڈاؤسن کی رائے یہ ہے کہ سراج عفیف نے ہندوستان کے داخلی حالات دوسرے مورخین کی نسبت زیادہ بہتر طریقہ پر (ماسوا آئین اکبری کے) پیش کیے ہیں[5]

---

[1] تعارف ترجمہ تاریخ فیروز شاہی ص۳

[2] تاریخ ادبیات مسلمانان پاک و ہند ص۲۸۳ ج چہارم

[3] مسلم ہسٹریوگرافی ص۶۷ [4] ہسٹوریز آف میڈیویل انڈیا

[5] ہسٹری آف انڈیا ایز ٹولڈ بائی اٹس اون ہسٹورینز

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

☆☆☆☆

اَلْجُزْءُ الثَّانِی

تاریخ فرشتہ

☆☆☆☆

سلاطینِ مغلیہ کے دور میں!

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مرزا محمد ظہیر الدین بابر

(واقعاتِ بابری)

مرزا بابر ۸۸۸ھ میں فرغانہ میں پیدا ہوئے۔ ان کا سلسلۂ نسب والدہ کی طرف سے چنگیز خان تک، اور والد کی طرف سے تیمور تک پہنچتا ہے۔ تیمور نے جہاں کشور کشائی میں نام پیدا کیا وہاں اربابِ علم وفن کی انجمن آرائی میں بھی بلند مقام حاصل کیا۔ تیمور کی علم نوازی اور علماء پروری اس کی نسل میں برابر منتقل ہوتی رہی۔ چنانچہ بابر کے والد گرامی، شیخ مرزا عالم بھی تھے اور علم دوست بھی تھے۔ جن کی حسنِ تربیت سے بابر نے رزم و بزم ہر دو میدانوں میں لازوال شہرت حاصل کی۔ اپنے والد کی وفات کے بعد مرزا محمد بابر بمقام فرغانہ ۹۰۱ھ میں تخت نشین ہوا اور ظہیر الدین محمد بابر بادشاہ کے لقب سے اورنگِ سلطنت پر جلوس فرمایا۔

ظہیر الدین محمد بابر نہ صرف اقلیم ہند کا عظیم فاتح و کشور کشا تھا بلکہ اقلیم شعر و سخن کا بھی تاجدار تھا۔ علماء، شعراء اور حکماء و فضلاء اس کے دربار میں کچھ ایسے جمع ہو گئے تھے جیسے چاند کے گرد ستارے۔ ان اربابِ کمال کی صحبت کے فیضان سے بابر کی خداداد علمی و ادبی صلاحیتوں نے غیر معمولی جلا پائی جو "واقعات بابری" کی صورت میں ہمارے سامنے ہے۔ یہ گراں قدر تصنیف نہ صرف دنیا بھر کی خودنوشت سوانح عمریوں میں فنی اعتبار سے بلند ترین مقام رکھتی ہے۔ بلکہ علمِ تاریخ کی عہد آفرین تصانیف میں سے ایک ہے۔ شہ موصوف نے اپنے سوانح حیات بارہ برس کی عمر میں مرتب کرنا شروع کر دیئے اور ۹۳۷ھ میں انہیں آخری شکل دی۔ ازاں بعد یہ گراں مایہ تالیف اکبر کے حکم سے اس کے مصاحب (اور سپہ سالار اعظم) عبدالرحیم خان خاناں نے ترکی سے فارسی زبان میں منتقل فرمائی۔

"واقعاتِ بابری" (بابر نامے) کے مطالعے سے مترشح ہوتا ہے کہ وہ جفاکش اور سخت کوش تھا۔ پچیس برس کی عمر تک ننگے پاؤں گھومنے پھرنے سے اس کے پاؤں اتنے سخت ہو گئے تھے کہ پہاڑی زمین اُسے نرم زمین کی طرح محسوس ہونے لگی۔ برف سے زیادہ ٹھنڈے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

پانی سے غسل کرنے میں اُسے کوئی دقت محسوس نہ ہوتی۔ ہرات سے کابل جاتے ہوئے اس نے ایک رات برفباری میں گذاری اور غار میں جانا گوارا نہ کیا۔ کیونکہ نہ صرف وہ ایسی تکالیف کا سامنا کرنے کا عادی تھا۔ بلکہ اس کے ساتھی غار میں نہ سما سکتے تھے اور اُنہیں چھوڑ کر غار میں چلے جانا شانِ مردانگی کے منافی تھا۔

ع کہ مرگ بیاراں عید است!

ایسی سخت جانی اور سخت کوشی کے باعث بدخشاں، قندھار اور کابل کی محدود آمدنی کے بل بوتے پر اس نے صرف بارہ ہزار کی فوج کی مدد سے ابراہیم لودھی کی ایک لاکھ کی زبردست کیل کانٹے سے لیس فوج کو شکست فاش دے دی۔

تاہم بابر کی شخصیت کا یہ پہلو بڑا ایمان افروز ہے کہ وہ اپنی تمام فتوحات کو عنایتِ خداوندی قرار دیتا ہے۔ بابر ابراہیم لودھی کو شکست دینے کے بعد اللہ جل شانہٗ کا شکر بجا لاتا ہے۔ جس نے ہندوستان جیسے وسیع و عریض ملک کو انتہائی بے سروسامانی کے باوصف اس کے قدموں تلے بچھا دیا۔ "بابر نامے" کا سرِ عنوان یہی آیتِ مقدسہ ہے۔ "اے خدا تو ہی بادشاہت کا اصل مالک ہے۔ جسے چاہے بادشاہ بنائے جس سے چاہے بادشاہت چھین لے۔"

"واقعاتِ بابری" میں شہ موصوف نے متعدد ممالک مثلاً سمرقند، کابل، اور مملکتِ ہند کے جغرافیائی حالات، شاہی محلات، تاریخی عمارات اور قابلِ دید عجائبات کے پہلو بہ پہلو عوام کے معاشرتی و تمدنی حالات کا بڑا دلکش نقشہ پیش کیا ہے۔ اس تصنیف کے مطالعے سے اس دور کے سیاسی حالات کی تصویر بھی نگاہوں کے سامنے آجاتی ہے کہ ہندوستان پر بابر کے حملے کے وقت پانچ مسلمان حکمران تھے اور دو بڑے مہاراجے! ان کے علاوہ کئی چھوٹے چھوٹے راجے آزادی و خودمختاری کے مزے لوٹ رہے تھے۔ بابر کی وسیع القلبی کا یہ عالم ہے کہ رانا سانگا کو ان الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کرتا ہے۔ "اس مہاراجہ نے اپنی ذاتی خوبیوں کی اساس پر اپنے اقتدار کی دیوار اُٹھائی اور رنتھمبور، رنگ پور اور چندیری کے قلعوں پر قبضہ کر کے زبردست طاقت بن گیا۔"

ہندوستان کے میدانی علاقوں کے بارے میں شہ مذکور کے تاثرات یہ ہیں۔ "ہندوستان کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

شہروں کی وضع قطع بالعموم یکساں قسم کی ہے۔ باغات کے اردگرد دیواریں کھڑی کرنے کا رواج نہیں برسات کے موسم میں نہروں، ندیوں، دریاؤں کے کنارے سخت دلدل ہو جاتی ہے جس سے آمدورفت میں بڑی دشواری ہوتی ہے۔ یہاں کے شہر جتنی سرعت سے آباد ہوتے ہیں اتنی ہی تیزی سے بے نام ونشان ہو جاتے ہیں۔

اس سرزمین کے باشندوں کے بارے میں وہ لکھتا ہے "یہاں کے لوگ نہ وجیہہ ہیں نہ ملنے جلنے کے آداب سے آشنا ہیں۔ ذہنیت پست ہے۔ مروّت، خلق اور وضعداری میں ہیٹے ہیں۔ پیشوں کی تقسیم کچھ زیادہ موزوں نہیں۔ یہاں نہ گھوڑا اچھا ہوتا ہے نہ گوشت مزے دار ملتا ہے۔ گرمیوں میں نہ ٹھنڈا پانی میسّر ہوتا ہے نہ برف۔ بازاروں میں فروخت ہونے والا سالن اور روٹی دونوں بے مزہ ہوتے ہیں۔ یہاں نہ حمام ہیں نہ مدرسے۔ نہ گھروں میں مشعلیں ہیں نہ شمعدان! یہاں کی عمارتیں نہ ہوادار ہیں نہ خوش وضع، مرد عموماً لنگوٹی پہنتے ہیں اور عورتیں ساڑھی جن سے ستر پوشی نہیں ہوتی۔ گرچہ بابر نے سرزمین ہند کا حال کل پچیس ۲۵ تیس ۳۰ صفحات میں تحریر کیا ہے لیکن اس نے یہاں کے پھلوں، پھولوں، درختوں، پرندوں، چوپایوں آبی جانوروں کے بارے میں جو معلومات فراہم کی ہیں وہ اتنی وقیع اور قیمتی ہیں کہ عصر حاضر کے علمائے نباتات وحیوانات ان سے بخوبی مستفید ہو سکتے ہیں۔

سلطان بابر نے جہاں "واقعات بابری" میں اپنے حوصلہ مندانہ کارناموں تحیّر خیز معرکوں، ذاتی مشاہدات اور زندگی بھر کے تجربوں کی روئیداد بیان کی ہے۔ وہاں اس نے اپنی بے تدبیریوں اور غلط کاریوں کا فراخ دلی سے اعتراف کیا ہے۔ وہ کھلے بندوں اقرار کرتا ہے کہ بابری نامی ایک خوب رُو لڑکے پر وہ ہزار جان فریفتہ ہو گیا تھا۔ وہ اعتراف کرتا ہے کہ اس نے وقتاً فوقتاً اپنے دشمنوں کی کھوپڑیوں کے مینار تعمیر کیے تاکہ ان کے قلوب پر اپنی ہیبت وجلال کا سکہ بٹھا سکے۔ وہ رانا سانگا سے جنگ کرنے سے پہلے اپنی شراب نوشی کی ناپسندیدہ عادت کا صاف صاف اقرار کرتا ہے۔ وہ خود ہی بتاتا ہے کہ وہ کبھی کبھار "ہزل گوئی" بھی کر لیتا تھا۔ البتہ جونہی اس نے نعتِ رسولؐ کہنا شروع کی تو "ہزل گوئی" کا مشغلہ ترک کر دیا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

علمی رُتبہ:-

سلطان ظہیر الدین کے علمی مقام و مرتبے کے بارے میں ابوالفضل رقم طراز ہے۔

"سلطان موصوف نظم و نثر میں صاحب مقام تھے۔ ان کا دیوان فصاحت و بلاغت کا نادر نمونہ ہے۔ کلام کی برجستگی اور تازگی قابلِ داد ہے۔ بابر نے اپنی سوانح حیات کا نقشہ اوّل تا آخر فصیح و بلیغ انداز میں لکھا۔ "واقعاتِ بابری" ایسا دستور العمل ہے جو تمام دنیا کے فرمانرواؤں کے لیے کافی و وافی ہے۔ یہ تصنیف ایسا مجموعہ قوانین ہے جو صحیح الدماغ لوگوں کی راہنما ہے۔ یہ صحیح افکار کا ایسا مرقع ہے جو تجربہ کاروں اور دانشوروں کے لیے مشعلِ راہ ہے۔"[1]

"تاریخ رشیدی کے مؤلف مرزا حیدر دوغلت کا بیان ہے کہ ترکی شاعروں میں میر علی شیر بیگ نوائی کے بعد کوئی اور شاعر بابر کا مدِ مقابل اور ہمسر نہ تھا۔"[2]

مؤرخ فرشتہ رقم طراز ہے: "بابر موسیقی، شاعری، نثر نگاری اور خوشنویسی میں اپنی مثال آپ تھا۔"[3]

گلبدن بیگم نے بابر کی "قادرالکلامی اور معجز بیانی کی بڑی تعریف کی ہے۔"[4]

خافی خان "توزک بابری" کو شاہانہ اسلوب بیان کا مرقع قرار دیتا ہے۔[5]

سید صباح الدین لکھتے ہیں۔ یہ کتاب بابر نے اپنی مادری زبان ترکی میں لکھی تھی۔ گو ترکی اس زمانے میں اعلیٰ قسم کی علمی زبان نہیں رہی لیکن بابر نے اپنی غیر معمولی ذہانت و فطانت سے اس زبان میں بھی ایسا سلیس، لطیف اور شگفتہ طرز بیان اختیار کیا کہ اس کی کتاب ارباب علم و فن کے لیے جاذب توجہ بن گئی اور اس کے ترجمے میں پڑھنے والے کو وہی لذت محسوس ہوتی ہے جو ترکی جاننے والوں کو اصل کتاب میں ملتی ہو گی۔[6]

رشید اختر ندوی لکھتے ہیں۔ "توزک بابری جو بعض علماء کے نزدیک تمام سابقہ بادشاہوں کی خود نوشت سوانح حیات کی فہرست میں اپنی مثال آپ ہے، سادگی تحریر کے اعتبار سے یگانۂ روزگار تالیف ہے۔"[7]

---

[1] اکبر نامہ ج ۱ صفحہ ۱۱۸ [2] تاریخ رشیدی [3] گلشن ابراہیمی [4] گلبدن نامہ [5] منتخب اللباب
[6] بزمِ تیموریہ صفحہ ۱۱ [7] ترجمہ توزک جہانگیری۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہینری ایلیٹ لکھتا ہے۔"بابر کی توزک ان سوانح عمریوں میں سے ہے جو سب سے زیادہ سچی اور سب سے اچھی کہی جا سکتی ہے۔ یہ کتاب نہ صرف تاریخی واقعات جاننے کے لیے اہم ہے بلکہ اس میں بہت سی معلومات ایسی ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ شہنشاہ کس قدر غیر معمولی دل و دماغ کا آدمی تھا اور اس کا مشاہدہ کتنا قوی تھا۔ موجودہ دور کے سیاحوں نے اعتراف کیا ہے کہ اکبر نے کابل، فرغانہ اور ہندوکش کے شمالی علاقوں سے متعلق جو بیانات قلم بند کیے ہیں وہ اپنی صداقت اور تفصیلات کے لحاظ سے پڑھنے کے لائق ہیں اور ہندوستان کی جو تصویر اس نے کھینچی ہے وہ اور بھی جاذبیت رکھتی ہے۔"[1]

ولیم ارسکن لکھتا ہے۔"یہ ایک ایسے شخص کی تصنیف ہے جو غیر معمولی ذہانت اور مشاہدے کی قوت رکھتا ہے وہ اپنے ہم وطنوں اور معاصروں کے خدوخال عادات و اطوار کی آئینے کی طرح صاف شفاف تصویر ایسی خوبی سے کھینچتا ہے کہ ہر چیز بے داغ نظر آتی ہے۔ اس لحاظ سے یہ کتاب ایشیا کے تاریخی ادب میں اپنی مثال آپ ہے۔"[2]

کیمبرج ہسٹری آف انڈیا میں اس شہرہ آفاق تصنیف کو ان الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا گیا ہے۔" لازم ہے کہ اس تصنیف کو ہر زمانے کے ادب عالیہ میں شمار کیا جائے"۔

دنیا کی مختلف زبانوں میں واقعات بابری کے تراجم میں اضافہ ہوتے چلے جانا اس کی روز افزوں مقبولیت کی بیّن دلیل ہے۔

انگریزی زبان میں اس کا پہلا نامکمل ترجمہ جان لائیڈن نے کیا جبکہ ولیم ارسکن نے نظر ثانی کر کے اسے پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ ادھر مسز اے بیوریج کا انگریزی ترجمہ اس لحاظ سے بہتر سمجھا جاتا ہے کہ وہ اصل ترکی متن پر مبنی ہے۔ جسے "میمائیرز آف بابر" کا نام دیا گیا ہے۔

واقعات بابری کا ترجمہ فرانسیسی زبان میں ایم پیرٹ کے قلم سے ہے۔ جبکہ روسی زبان کے سانچے میں اسے روس کی اورینٹل اکیڈمی نے ڈھالا۔

---

[1] تاریخ ہند ج ۴ صفحہ ۲۱۸

[2] لائف آف بابر۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

غیاث الدین خواند امیر

(فالوِن ہمایونی)

خواند امیر غیاث الدین محمد نے علوم و فنون کے گہوارے ہرات میں آنکھ کھولی۔ ان کے والد محترم ہمام الدین، والیٔ بدخشاں کے سلطان (محمود) کے وزیر تھے اور ان کے نانا جان روضۃ الصفا جیسی شہرہ آفاق تصنیف کے مصنف تھے۔ اس طرح خواجہ امیر نے سیادت و علمیت ورثہ میں پائی۔ انہوں نے اپنی خداداد صلاحیتوں اور فطری استعدادوں کو محنت و کاوش سے اس درجہ ترقی دی کہ شہریار علم وزیر میر علی شیر نوائی نے انہیں اپنے دربار میں قدر شناسی کے طور پر جگہ دی۔ خواند امیر غیاث الدین اس کی زیر سرپرستی تاریخ نگاری کے شعبۂ علم میں خوب خوب داد تحقیق دیتے رہے اور تاریخ کے موضوع پر کئی اہم تصانیف سپرد قلم فرمائیں حتیٰ کہ سیاسی انقلابات کے ہاتھوں مجبور ہو کر خواند امیر اپنے منصب سے الگ ہو کر برسوں گوشہ نشین رہے۔ ۹۳۵ھ میں انہوں نے آگرے کا رخ کیا اور بانیٔ سلطنت مغلیہ ظہیر الدین بابر کے ہاں باریاب ہوئے جس نے انہیں اپنے مصاحبوں کے زمرے میں شامل کر لیا۔ ہمایوں نے تاج و تخت سنبھالا تو خواند امیر کے مرتبے کو بڑھایا اور انہیں "امیر اخبار" اور "امیر مورخین" کے پر وقار القابات سے نوازا۔ جب ہمایوں گجرات کی مہم پر ۹۴۶ھ میں تشریف لے گیا تو خواند امیر اس کے ہمرکاب تھے جو اس سفر میں علیل ہوئے اور دہلی لوٹ آئے۔ جہاں انہوں نے ۹۴۱ھ میں جام اجل نوش فرمایا۔ چونکہ خواند امیر غیاث الدین حضرت امیر خسرو اور خواجہ نظام الدین دونوں بزرگانِ دین سے قلبی عقیدت رکھتے تھے۔ اس لیے اپنی خواہش کے مطابق، خواجہ نظام الدین اولیاء کے پہلو میں دفن کیے گئے۔

تالیفات:۔

خواند امیر نے ابتداءً معارف پرور وزیر میر علی شیر نوائی کی زیر سرپرستی "مآثر الملوک" سپرد قلم فرمائی۔ جس میں خلفائے بنو امیہ و بنو عباس کے پہلو بہ پہلو طاہریوں، سامانیوں، غزنویوں کی تاریخ مندرج ہے۔ دوسری کتاب انہوں نے خلاصۃ الاخبار کے نام سے ترتیب دی جو روضۃ الاخبار کی تلخیص ہے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

خواندامیر کی تیسری اہم تالیف "مکارم الاخلاق" ہے جس میں فاضل مؤلف نے اپنے ممدوح وزیر میر علی شیر کی سوانح حیات اور کارہائے نمایاں بیان کیئے۔

۹۱۵ھ میں خواندامیر کی چوتھی تصنیف "دستور الوزراء" منظرِ عام پر آئی جس میں آغازِ اسلام سے لے کر اس کے زمانے تک کے ممتاز سلاطین اور وزراء کے حالات زیرِ بحث آگئے ہیں۔

اسی زمانے میں اخبار الاخیار، جواہر الاخبار اور غرائب الاسرار یکے بعد دیگرے مرتب ہوئیں۔ جن میں اولیائے عظام کے تاریخی کوائف کے پہلو بہ پہلو تصوف کے بارے میں علمی مباحث مندرج تھے۔

۹۲۹ھ میں خواندامیر نے روضۃ الصفا کی ساتویں جلد مدوّن فرمائی اور اپنے نانا جان کے علمی کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔

۹۳۰ھ میں حبیب السیر فی الاخبار افراد البشر کے نام سے ایک کتاب تین جلدوں میں مرتب ہوئی۔ جس میں ابتدائے عالم سے لے کر ۹۳۰ھ تک کے مستند تاریخی حالات جمع کیئے گئے تھے۔

سب سے آخر (۹۴۲ھ) خواندامیر نے "قانون ہمایونی" قلم بند کی۔ جو نہ صرف تحریر کی شگفتگی اور فکر کی پختگی کی آئینہ دار ہے بلکہ فاضل مؤرخ کی علمی و ادبی صلاحیتوں کے اوجِ کمال تک پہنچنے کی عکاس و غماز ہے۔ یہ گراں مایہ تصنیف خواندامیر نے ہمایوں کی فرمائش پر (بمقام گوالیار) مرتب فرمائی۔ جس میں ہمایوں کی جدّت طرازیوں اور اختراعی صلاحیتوں پر عالمانہ انداز میں بحث کی گئی ہے خصوصاً ہمایوں کے عہد میں تعمیر کردہ عمارات اور باغات کا مفصل تعارف پیش کیا گیا ہے۔ اس معرکۃ الآراء تصنیف میں اس دور کے سیاسی، معاشی، تمدنی اور معاشرتی احوال و کوائف شرح و بسط سے مذکور ہیں۔ گو اس کتاب میں عہدِ ہمایوں کے صرف پانچ سال کے احوال و کوائف درج ہیں پھر بھی اس کے بلند علمی معیار کو ملحوظ رکھتے ہوئے، اربابِ علم اسے درجۂ اوّل کی تاریخی تصانیف میں شمار کرتے ہیں۔

یہاں ہم ہمایوں کے چند مبتدعات اور اختراعات ملخصاً پیش کریں گے جن پر خواندامیر نے احسن پیرائے میں قلم اُٹھایا ہے۔ — — — — — — خواندامیر کے بیان کے مطابق ہمایوں کی اختراعات و مبتدعات میں سے ایک اختراع یہ ہے کہ اس نے عناصرِ اربعہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کی مناسبت سے اپنی سلطنت کے لیے چار وزارتیں مقرر کیں جنہیں الگ الگ ذمہ داریاں تفویض کیں۔ اوّل "وزارت آتشی"۔ توپ خانہ اور دیگر آلاتِ حرب وضرب کی فراہمی اور تیاری اس کے ذمہ تھی۔ دوئم "وزارت ہوائی" جو باورچی خانہ اصطبل خانہ اور توشہ خانہ کے انتظامات کی ذمہ دار تھی۔ سوئم "وزارتِ آبی" جس کے ذمے آبپاشی کے ذرائع کو ترقی دینا اور مشروبات کی تیاری کا کام تھا۔ چہارم "وزارت خاکی" جو ایک طرف زرعی ترقی کے لیے کوشاں رہتی تو دوسری طرف سرکاری عمارات کی تعمیر اور مرمت کی نگرانی کرتی۔

بقول خواند امیر ہمایوں کی دوسری اختراع یہ ہے کہ اس نے بارہ تیر ایجاد کیے جو بارہ درجات کی نشاندہی کرتے تھے۔ بارہواں تیر خود اس کے اپنے ترکش میں رہتا تھا۔ گیارہواں تیر اعزّہ و اقربا سے منسوب تھا۔ دسواں تیر بڑے بڑے شیوخ و اکابر کے مقام کو ظاہر کرتا تھا۔ نواں تیر امرائے سلطنت سے متعلق تھا۔ جبکہ آٹھواں تیر داروغۂ شہر اور مقربین خاص سے نسبت رکھتا تھا۔ اس درجہ بندی میں علما اور مشائخ کو جو مقام دیا گیا تھا وہ ظاہر کرتا ہے کہ ہمایوں علم اور علما کا کس قدر، قدرشناس تھا۔

ہمایوں کی جس تیسری اختراع کا خواند امیر غیاث الدین نے بڑی تفصیل سے ذکر کیا ہے وہ اس کا مناسب حال اور مناسب موقع ملبوسات کو زیبِ تن کرنا ہے۔ مثلاً ہفتے کے روز جس کا تعلق زحل (نحس اکبر) سے ہے وہ سیاہ لباس پہنتا اور پیر کے دن (جو قمر سے منسوب ہے) اگر پورا چاند ہوتا تو سفید لباس پہننا پسند کرتا۔ ورنہ سبز رنگ کے ملبوسات زیبِ تن فرماتا۔ اس روایت سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ ہمایوں کو علم نجوم اور علمِ فلکیات میں کتنی غیر معمولی دسترس حاصل تھی۔

خواند امیر رقم طراز ہے کہ دورِ ہمایوں میں عمارت سازی کے انداز میں بھی جدّت برتی گئی۔ جب ہمایوں کوئی عمارت تعمیر کرتا تو سب سے پہلے شہر موصوف علمِ نجوم کی رو سے کسی نیک ساعت کا انتخاب و تعیّن کرتا اس کے بعد سادات ذوی الاحترام، علمائے کرام اور مشائخ عظام جمع ہوتے اور سلطنت کے استحکام اور عمارت کے قیام و دوام کے لیے دست بدعا ہو جاتے۔ شہر موصوف خود سنگِ بنیاد رکھتے۔ علما، مشائخ و سادات سب اینٹیں اٹھا اٹھا کر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

معماروں کو دیتے اور عمارت سازی کا کام یہ سرعت شروع ہو جاتا

خواند امیر کا علمی مقام :-

ظہیر الدین بابر جیسے باکمال فرمانروا کا خواند امیر کو اپنے مصاحبوں اور ندیموں میں شامل کرنا خواند امیر غیاث الدین کے علمی مقام کو ظاہر کرنے کے لیے کافی ہے۔

ہمایوں کا انہیں سرکاری وقائع نگاری کا منصب سونپنا اور انہیں "امیر اخبار" اور "امیر المورخین" کے القابات سے نوازنا خواند امیر کے شرف علمی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

شیخ ابوالفضل نے اپنی محققانہ تالیف اکبر نامہ میں قانون ہمایونی سے متعدد اقتباسات درج کیے ہیں۔ جن سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ عہد اکبری کے اس یگانۂ عصر مورخ کے دل میں غیاث الدین خواند امیر کا کتنا احترام تھا؟[1]

بزم تیموریہ کے مؤلف قانون ہمایونی کے بارے میں رقم طراز ہیں :-

" یہ کتاب ہمایوں کے دور کے تمدن اور مصنوعات سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے بہت مفید سمجھی جاتی ہے"۔

خواند امیر کو ہمایوں سے گہرا لگاؤ اور اخلاص پیدا ہو گیا تھا۔ جس کا اظہار اس نے مختلف قصائد، قطعات اور مثنویوں میں بھی کیا ہے۔ ان قصائد سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ایک بلند پایہ شاعر بھی تھا۔[2]

---

[1] اکبر نامہ جلد اوّل صفحہ ۶۰ تا ۳۵۹

[2] بزم تیموریہ صفحہ ۵۴

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

جوہر آفتابچی

"تذکرۃ الواقعات"

عہد محمد ہمایوں بادشاہ غازی کا معروف تذکرہ نگار اور سلطانِ موصوف کا آفتابہ بردار جوہر ہے جسے سفر و حضر اور خلوت و جلوت میں قربِ شاہی حاصل تھا کچھ مدت کے لیے وہ بھیبت پور کا محصّل مقرر ہوا۔ ازاں بعد وہ سرکار پنجاب و ملتان کا خزانچی مامور ہوا۔ جوہر نہ کوئی متبحر عالم تھا نہ سرکاری وقائع نگار اور نہ ہی بالغ النظر محقق! تاہم بحیثیت جانثار ملازم اور وفادار چاکر سلطان محمد ہمایوں کے لیے اس کے دل میں بے پناہ جذبۂ عقیدت موجزن تھا جو تذکرۃ الواقعات کی تصنیف کا سامان بنا۔

جوہر کی راست بیانی اور صاف گوئی کا یہ عالم ہے کہ اپنے آقا کی کمزوریوں اور ناکامیوں پر پردہ ڈالنے کی ہرگز کوشش نہیں کرتا۔ وہ جس طرح ہمایوں کی کامیابیوں اور کامرانیوں کی روئیداد بیان کرتا ہے اسی طرح اس کی شکستوں اور ناکامیوں کا احتساب کرتا ہے اس کی یادگار زمانہ تصنیف قرآن مجید کی آیات سے پیراستہ اور فارسی شعراء (مثلاً خواجہ حافظ شیخ سعدی، نظامی گنجوی اور فردوسی) کے اشعار و ابیات سے آراستہ ہے جس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ باذوق بھی تھا اور سخن فہم بھی! جوہر نے ان تمام واقعات کو بلا کم و کاست بیان کیا ہے جو ہمایوں کے دور میں اس کی آنکھوں کے سامنے رونما ہوتے رہے۔ اس بارے میں فاضل مصنّف نے کسی دوسرے تذکرے یا تصنیف کا سہارا نہیں لیا۔ بلکہ اس نے اپنے چشم دید واقعات اور اپنے قلبی تاثرات صفحۂ قرطاس پر ثبت کر دیئے ہیں۔

"تذکرۃ الواقعات متعدد ابواب پر منقسم ہے۔ ابتدائی ابواب میں ہمایوں کی تخت نشینی شاہانہ مجالس کی آراستگی، اپنے بھائیوں کی نااتفاقی، شیر شاہ سوری سے پنجہ آزمائی۔ شکست کھانے کے بعد ہمایوں کی صحرا نوردی، اپنوں کی تغافل شعاری بیگانوں کی ستم کوشی، ہمایوں کی ایران کی سمت روانگی اور وہاں سے مراجعت یہ جملہ مباحث کمالِ خوبی سے بیان کیے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

گئے ہیں۔

اس تالیف کی جان چودھواں[۱۴] باب ہے جس میں ہمایوں کے سفرِ ایران اور شاہ ایران کی شاہانہ مہمان نوازی کا تذکرہ ہے۔ ایران کے کئی تہذیبی و تمدنی پہلو زیرِ بحث آگئے ہیں۔ جوہر ہمیں بتاتا ہے کہ سلطان ہمایوں کا ہرات میں بڑا شاندار استقبال کیا گیا جہاں وہ ایک ماہ تک ٹھہرا رہا۔ ازاں بعد وہ امام علی رضا کے روضۂ اطہر پر حاضر ہوا۔ جہاں اس نے از راہِ عقیدت اپنی کمان آویزاں کی۔ پھر قزوین سے ہوتا ہوا ایران کے پایۂ تخت پہنچا۔ جہاں پہلے وکلائے سلاطین، وکلائے قوانین، میرازیاں (یعنی اُمرائے ایران) اور ساداتِ عظام نے اُسے خوش آمدید کہی۔ آخر میں شاہ طہماسپ نے اُسے شرفِ ملاقات بخشا اور بدست خود ہمایوں کے سر پر "تاج شاہی" رکھا۔ تب تمام حاضرینِ مجلس اور درباری اللہ اللہ کے کلمات ادا کرتے ہوئے۔ سجدۂ تعظیمی میں گر گئے۔ (لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم)۔

سترھویں باب سے لے کر تینتیسویں باب تک فاضل تذکرہ نگار نے ہمایوں کے کردار پر روشنی ڈالی ہے۔ کہ کیونکر پے در پے مصیبتوں، تکلیفوں اور ناکامیوں کا سامنا کرنے کے باوصف ہمایوں کے پائے ثبات کو ذرہ برابر لغزش نہ ہوئی اور وہ اپنے تخت و تاج کی متاعِ گم گشتہ کو حاصل کر کے عروسِ اقتدار سے دوبارہ ہمکنار ہوا۔ تاریخِ عالم میں ایسی بہت کم مثالیں ملتی ہیں کہ ایک فرمانروا تاج و تخت سے محروم ہو کر اُسے دوبارہ حاصل کر سکے۔

چوبیسویں باب سے ہمایوں کے اپنے بھائی مرزا کامران سے پنجہ آزمائی کا ذکر ہے۔ نیز یہ کہ جب مرزا کامران ہمایوں کی فوج سے شکست کھا کر قلعہ بند ہو گیا تو ہمایوں نے اُسے ایک ناصحانہ مراسلہ بھیجا۔ "اے برادر کوتاہ اندیش! یہ کیا ہو رہا ہے۔ خیال رہے کہ خونِ ناحق تیری گردن پر ہو گا۔ یومِ حساب تجھ ہی سے پرسش ہو گی۔ میں اپنا دستِ صلح جوئی تمہاری طرف بڑھاتا ہوں"۔ مکتوب کی یہ سطور ہمایوں کی کریم النفسی اور صلح جوئی کا بیّن ثبوت ہیں۔

تینتیسویں باب میں ہمایوں کی وفات کا ذکر ہے کہ جب فتح و کامرانی نے ہمایوں کے قدم چومے تو اُسے جامِ موت نوش کرنا پڑا۔ بالآخر جوہر کی یہ تالیف ان دُعایہ کلمات پر ختم ہوتی ہے "خدا کرے دہلی کی سلطنت تا ابد قائم و دائم رہے اور تمام اقالیم آلِ تیمور کے قبضہ و

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

تصرف میں آجائیں"۔

فاضل تذکرہ نگار نے ہمایوں کی سیرت کے روشن و تاریک دونوں پہلوؤں پر ناقدانہ بحث کی ہے وہ لکھتا ہے :۔

"ہمایوں، شجاع، فیاض اور کریم النفس فرمانروا تھا۔ شعر و سخن سے اُسے فطری مناسبت تھی۔ ریاضی، نجوم اور جغرافیہ جیسے علوم میں ید طولیٰ رکھتا تھا۔ اس نے کرۂ ارضی اور نظامِ شمسی کے نقشے تیار کروائے۔ نیز ذی علم حکمرانوں میں اُسے بلند مقام حاصل ہے"۔ ان محاسن و کمالات کے پہلو بہ پہلو جوہر ہمایوں کی عسکری بے بصیرتی اور بے تدبیری کا شاکی نظر آتا ہے۔ جس کے باعث اُسے عارضی طور پر تخت و تاج سے دستبردار ہونا پڑا اور برسوں صعوبتوں اور رسوائیوں کا منہ دیکھنا پڑا۔ فاضل مؤلف جہاں اپنی تصنیف میں تیموری خاندان سے اپنی جاں نثاری و وفاداری اور اطاعت کیشی کی مثالیں بیان کرتا ہے وہاں فرائض کی ادائیگی میں اپنی کوتاہیوں اور لغزشوں کا فراخ دلی سے اعتراف کرتا ہے۔ چودھویں باب میں وہ لکھتا ہے کہ عرق لیموں کا شیشہ ٹوٹنے پر بادشاہ نے اُسے چار میل پیدل چلنے کی سزا دی۔ اسی طرح انتیسویں باب میں اقرار کرتا ہے کہ اس کی ایک معمولی خطا پر بادشاہ نے اُسے "دو طمانچے رسید کیے۔ ایسے واقعات کا بیان جوہر کی مؤرخانہ صاف گوئی اور صداقت شعاری کی روشن دلیل ہے۔

خامیاں :۔

ناقدین کرام نے مؤرخ جوہر کی تصنیف کی پانچ خامیوں کی نشاندہی کی ہے۔

اوّل ۔ جوہر نے تاریخی واقعات کے سنین بیان کرنے میں کوتاہی برتی ہے۔

دوئم ۔ ہمایوں کے اس خادم خاص نے بعض اہم مسائل کو اختصار سے بیان کیا ہے جبکہ بعض معمولی واقعات کو اس نے غیر ضروری اہمیت دی ہے۔

سوئم ۔ واقعات کی ترتیب میں اس نے کچھ زیادہ ہوش مندی کا ثبوت نہیں دیا۔

چہارم ۔ بعض تاریخی کرداروں کے بارے میں وضاحت نہیں ملتی کہ ہمایوں سے ان کا کیا رشتہ و تعلق ہے۔

پنجم ۔ یہ تصنیف ہمایوں کی وفات کے بیس پچیس برس بعد لکھی گئی ہو سکتا ہے کہ اس دوران

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مصنف کے حافظے سے بعض ضروری باتیں محو ہو گئی ہوں اور حقائق کے نقوش دھندلا گئے ہوں۔

تاہم متعدد محققین نے تذکرۃ الواقعات کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا ہے۔

احمد الدین احمد لکھتے ہیں :۔

"یہ واقعہ ہے کہ جوہر نے حقیقی اور اصولی مؤرخ کی طرح حالات بیان کیے ہیں اس کے بیان میں کہیں تعصب ہے نہ مبالغہ، کہیں تصنع ہے نہ فریب! کہیں نفرت ہے نہ اظہارِ عقیدت! اس کا بیان ان خامیوں سے پاک ہے۔ اس کی آنکھ نے جو کچھ دیکھا قلم بند کیا۔"[1]

ڈاکٹر سید معین الحق رقم طراز ہیں :۔

"جوہر نے اپنی تصنیف ہمایوں کی رحلت کے بعد شروع کی لیکن وہ چشم دید واقعات لکھتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس نے واقعات کے نوٹس محفوظ رکھے ہوں گے۔ ان حالات میں "تذکرۃ الواقعات" کی اہمیت بڑھ جاتی ہے اور بجا طور پر اُسے ہمایوں کی ہم عصر تالیف کہا جا سکتا ہے۔"

خواجہ عبد الحمید یزدانی لکھتے ہیں: "یہ کتاب سیدھے سادھے انداز میں لکھی گئی ہے اور تکلف بناوٹ اور مبالغے یا تعصب سے پاک ہے۔"[2]

غیر مسلم ناقدین میں سے ایس، کے، بینرجی "تذکرۃ الواقعات" کو بیش قیمت سرمایۂ معلومات قرار دیتے ہیں۔

شیو کمار کا خیال ہے کہ اگر جوہر اپنے ممدوح فرمانروا کی سرزمین ایران میں "داستانِ حیات" قلم بند نہ کرتا تو دنیا کو معلوم نہ ہوتا کہ ہمایوں نے مذہب اثنا عشریہ (امامیہ) اختیار کیا تھا یا نہیں؟ شاہِ ایران اس سے کچھ عرصہ کے لیے کبیدہ خاطر ہوا تھا یا نہیں؟ کیونکہ ہمعصر ایرانی مؤرخوں نے ان حقائق سے کامل اغماض و سکوت برتا ہے۔[3]

اس تالیف کی افادیت و مقبولیت کے پیش نظر میجر چارلس اسٹورٹ نے "تذکرۃ الواقعات" کا انگریزی زبان میں ترجمہ کیا۔ البتہ ولیم ارسکن نے نظر ثانی کر کے جو ترجمہ شائع کیا وہ نسبتاً بہتر سمجھا جاتا ہے۔

---

[1] دیباچہ ہمایوں نامہ ص[illegible]   [2] معاشری و علمی تاریخ ص ۱۶۹

[3] "ہمایوں بادشاہ"

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

شہزادی گلبدن بیگم

(ہمایوں نامہ)

ہمایوں نامہ مغلیہ خاندان کے بانی، ظہیرالدین بابر کی صاحبزادی اور ہمایوں کی ہمشیرہ کے زورِ قلم کا نتیجہ ہے۔ یہ شہزادی ۹۲۹ھ میں کابل میں پیدا ہوئی۔ دو برس سے آٹھ برس تک ماہم بیگم کی تحویل میں رہی لیکن اس کی وفات کے بعد اپنی حقیقی والدہ دلدار بیگم کے پاس لوٹ آئی۔ جب ہمایوں ۹۴۷ھ میں افغان سردار شیر شاہ سوری کے ہاتھوں شکست کھا کر آگرہ پہنچا تو گلبدن بیگم نے اس کی بڑی دل جوئی کی جب ہمایوں نے شیر شاہ سوری کی بغاوت فرو کرنے کے لیے مجلس مشاورت طلب کی تو گلبدن بیگم کی مساعی جمیلہ سے ہمایوں کے تینوں بھائی شیر شاہ سوری کے خلاف متحد ہو گئے۔ شہزادی موصوف کی شادی نامور سردار خضر خواجہ سے ہوئی جسے ہمایوں نے لاہور کا گورنر بنایا۔ عہدِ اکبری میں گلبدن بیگم خانہ کعبہ کی زیارت کے لیے گئیں اور وہاں سے چار حج کر کے واپس تشریف لائیں اور ۱۰۱۱ھ میں اللہ کو پیاری ہو گئیں۔

شہزادی مذکور نے ہمایوں نامے میں اعتراف کیا ہے کہ جب اکبر بادشاہ نے اُسے حکم دیا کہ فردوس مکانی (بابر) اور جنت آشیانی (ہمایوں) دونوں کے بارے میں وہ اپنی ذاتی معلومات قلم بند کر دے تو اُسے یہ مشکل درپیش ہوئی کہ اوّل الذکر فرمانروا کے بارے میں اس کی معلومات محدود تھیں۔ کیونکہ جب بابر کی وفات ہوئی اس وقت مصنفہ کا سن صرف آٹھ برس کا تھا اور اس زمانے کی باتیں اُسے اچھی طرح یاد نہ تھیں تاہم اپنے والد بزرگوار کی دھندلی یادوں کے خاکے میں رنگ بھرنے کے لیے بابر کی خود نوشت سوانح "واقعات بابری" اس کے سامنے تھی جس سے اس نے بھرپور فائدہ اُٹھایا۔ ظہیرالدین بابر کی تالیف واقعات بابری اور گلبدن نامے کے ابتدائی مباحث میں تفصیل و اجمال کا تعلق ہے اس علمی حقیقت کی تصدیق گلبدن نامے سے کی جا سکتی ہے۔ یہ امر مصنفہ کے لیے سرمایۂ افتخار ہے کہ اس کے عالی ہمت باپ نے دلیری، مردانگی اور بردباری سے حکومت حاصل کی۔ گیارہ سال تک انہوں نے سلاطین چغتائیہ، تیموریہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اور افروبیگیہ کے ساتھ جو لڑائیاں لڑی ہیں اور حصولِ اقتدار کے لیے جو مردانہ وار جدوجہد کی ہے اس کی روداد لکھنے سے زبان قلم عاجز ہے۔ ادھر گلبدن نامے میں بابر کے بارے میں کچھ نئی معلومات بھی ملتی ہیں۔ مثلاً ہمایوں کی پیدائش کے سال (۹۱۳ھ) میں بابر نے اعلان فرمایا تھا کہ انہیں میرزا بابر کی بجائے "بابر بادشاہ" کہہ کر پکارا جائے۔ مصنفہ ہمیں بتاتی ہے کہ کس طرح ہمایوں بیمار ہوا۔ بابر نے اللہ جل شانہ سے دُعا کی کہ ہمایوں کی بیماری اُسے لگ جائے۔ اور ہمایوں صحت یاب ہو جائے۔ چنانچہ یہ دُعا قبول ہوئی۔ نیز یہ کہ ظہیر الدین بابر کی وفات کے "سیاہ دن" بابر کے اعزہ و اقربا نے بڑی گریہ وزاری کی۔ تاہم اس کی وفات کی خبر کے بارے میں رازداری سے کام لیا گیا۔ یہاں تک کہ ہمایوں اورنگ شاہی پر جلوہ افروز ہوا جس نے تخت نشینی کے بعد گلبدن بیگم کی اس قدر دل جوئی کی اور خاطر داری سے پیش آیا کہ اُسے یتیمی اور بے چارگی کا غم بھول گیا۔

ہمایوں کے دس سالہ دورِ حکومت کے بارے میں گلبدن بیگم رقم طراز ہیں کہ ان دنوں ہر طرف امن و امان کا دور دورہ تھا۔ رعایا خوشحال و فارغ البال تھی۔ ہر شخص ہمایوں کی دل و جان سے اطاعت کرتا تھا۔ لیکن اس کے بعد ہمایوں کا ستارۂ تقدیر گردش میں آ گیا۔ شیر شاہ سوری نے شاہی افواج کو شکست فاش دی اور لکھنؤ سے آگے بڑھ آیا۔

گلبدن بیگم راوی ہے کہ جب شاہ طہماسپ کو معلوم ہوا کہ ہمایوں گردشِ روزگار کے سبب خراساں کی سرحد پر پہنچ چکا ہے تو وہ حیرت میں پڑ گیا۔ بعد ازاں تمام اہالی و موالی، اشراف و اکابر، صغیر و کبیر سمیت ہمایوں کے استقبال کے لیے آیا اور دونوں فرمانروا ایک جان دو قالب کے مصداق ہو گئے۔ آخر شاہ طہماسپ نے آزمودہ کار بہادروں کی فوج ہمایوں کے سپرد کر دی۔ جن کی مدد سے وہ کابل اور بدخشاں فتح کرنے میں کامیاب ہوا اور اس کے تمام بھائی اس کی اطاعت گزاری پر مجبور ہو گئے۔

مرزا کامران سے جنگ کے دوران گلبدن بیگم کا بھائی مرزا ہندال شہید ہو گیا۔ اسکی شہادت کا واقعہ قلم بند کرتے ہوئے گلبدن بیگم کا قلم خون فشاں ہو جاتا ہے۔ "میں یہ نہیں جانتی! کہ وہ کون ظالم و بے رحم تھا جس نے اس جوان کم آزار پر تلوار چلائی اور اُسے بے جان کر دیا۔ کاش!

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ان کی جگہ میرا نورِ نظر سعادت یار یا عزیز شوہر خضر خواجہ قربان ہو جاتا اور ہندال تیغ لیے دریغ کا نشانہ نہ بنتا۔ ہائے وہ دن جبکہ میرا سورج بادلوں میں جا چھپا۔" اپنے برادرِ عزیز کے لیے بہن کا یہ نوحہ فارسی ادب میں منفرد حیثیت رکھتا ہے۔ آخر شِ مرزا کامران کے فرار، گرفتاری اور خواری پر یہ داستان دل فگار ختم ہو جاتی ہے۔

ہمایوں نامے میں اس دور کی معاشرت اور تہذیب کے بارے میں اچھا خاصا مواد موجود ہے۔ شہزادی گلبدن بیگم لکھتی ہیں۔

ہندوستان میں شاہانِ ماضی کے خزانوں کو خرچ کرنا معیوب سمجھا جاتا تھا۔ بابر نے دھولپور میں ایک مرمریں حوض بنایا تھا کہ اُسے شراب سے بھر دے گا۔ چونکہ رانا سانگا سے لڑائی کے وقت وہ شراب سے تائب ہو گیا اس لیے اس حوض کو شربت لیموں سے بھر دیا گیا۔ شادیوں کے مواقع پر پُرتکلف جشن منائے جاتے تھے۔ ہمایوں کے بہ خیریت لوٹ آنے پر شاہی محلات میں چراغاں ہوا۔ حالانکہ پہلے یہ رسم بازاروں تک محدود تھی۔

طبقۂ نسواں کے بارے میں گلبدن بیگم نے بہت سے نئے واقعات فراہم کیے ہیں۔ چنانچہ عورتیں اس دور میں لکھنے پڑھنے کے علاوہ فنونِ سپہ گری سے کما حقہ واقف ہوتیں وہ سفر اور سیر و شکار میں گھوڑے پر سوار ہوتی تھیں۔ بعض اوقات مردانہ لباس زیبِ تن کرتی تھیں۔ مثلاً مہر انگیز بیگم بنت مظفر حسین مرزا بیگرہ مردانہ لباس میں ملبوس رہتی۔ مزید برآں وہ چوگاں بازی تیر اندازی اور ساز بجانے میں وہ بڑی طاق تھی۔ تیموری خاندان کے افراد جب کبھی ایک جگہ بہ غرضِ تفریح مل بیٹھتے تو عورتیں بھی گانے بجانے میں شریک ہوتی تھیں۔ البتہ یہ احتیاط برتی جاتی کہ کوئی بیگانہ شریکِ محفل نہ ہو۔ ہمایوں بادشاہ جب ہندوستان سے ایران جانے پر مجبور ہوئے تو ان کی ایک بہن ہمیشہ، ہی گھوڑے پر سوار عقب میں چلتی اور اس کی حد درجہ تعظیم کی جاتی۔ معاشرے میں عورتوں کا بلند مقام تھا۔ چنانچہ بابر کی بیگم (ماہم بیگم) کابل سے ہندوستان آئی تو بابر دو کوس تک پا پیادہ اس کے استقبال کے لیے گیا۔ ملکی معاملات میں عورتوں سے مشورے لیے جاتے جن پر عمل بھی کیا جاتا۔ غرضیکہ عورتیں علم آموزی، تیر اندازی، چوگاں بازی، گھڑ سواری، سیاست دانی اور معاملہ فہمی میں غیر معمولی قدرت و مہارت رکھتی تھیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

"ہمایوں نامے" کا علمی مقام :-

علامہ ابوالفضل نے گلبدن بیگم کے ہمایوں نامے سے اخذ و استفادہ کیا ہے جس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ علامہ موصوف کی نگاہ میں اس تصنیف کی کیا قدر و قیمت تھی۔[1]

سید صباح الدین رقم طراز ہیں۔

"وہ اپنی اعلیٰ تعلیم و تربیت کی بدولت ترکی اور فارسی زبان کی قابل قدر انشا پرداز اور شاعر ہوئی۔ فارسی زبان میں اس کی ایک مستقل تصنیف ہمایوں نامہ ہے جو اپنے طرز انشا کے لیے ایک بے مثل کتاب اور بابر و ہمایوں کے عہد کے تمدنی معاشرتی اور تاریخی واقعات کے لیے ایک قیمتی ماخذ ہے۔[2]"

ایم جی رسول لکھتے ہیں :-

"گلبدن بیگم نے ہمایوں کے دور کے بارے میں جو مواد فراہم کیا ہے اس کی افادیت سے کوئی منصف مزاج انسان انکار نہیں کر سکتا۔[3]"

بقول رشید اختر ندوی گلبدن بیگم کی تصنیف ہمایوں نامہ اس کے باپ ظہیر الدین بابر کی تصنیف واقعات بابری اتنی اہمیت تو نہیں رکھتی لیکن علمائے تاریخ کے نزدیک اس کی افادیت مسلم ہے۔[4]

اس گراں مایہ تصنیف کا انگریزی زبان میں ترجمہ مسز اینٹنے نے کیا ہے۔ وہ لکھتی ہیں :-

ہمایوں نامہ کوئی ادبی کارنامہ نہیں لیکن اس کی خوبی یہ ہے کہ مصنفہ نے جو کچھ سنا یا دیکھا اُسے بڑی سادگی سے قلم بند کر دیا۔ تاکہ اکبر نامے کا مصنف (ابوالفضل) اس سے فائدہ اٹھا سکے۔[5]

ہمایوں نامہ کے بارے میں علامہ شبلی رقم طراز ہیں۔

---

[1] اکبر نامہ
[2] بزم تیموریہ
[3] مسلم ہسٹیوروگرافی۔
[4] ہمایوں نامہ صفحہ ۳۷۶ (ترجمہ رشید اختر ندوی)
[5] ہمایوں نامہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

"فارسی زبان میں سادہ وصاف واقعہ نگاری کا عمدہ سے عمدہ نمونہ تزک جہانگیری اور رقعات عالمگیری ہیں۔ اور اس میں شبہ نہیں کہ یہ کتابیں سادگی اور لطافت کے لحاظ سے اس قابل ہیں کہ ہزاروں ظہوری اور وقائع نگار ان پر قربان کر دیئے جائیں لیکن انصاف یہ ہے کہ ہمایوں نامہ کچھ آگے ہی بڑھا ہوا ہے اس کے چھوٹے چھوٹے فقرے، سادہ اور بے تکلف الفاظ، روزمرہ اور عام بول چال طرز ادا کی بے ساختگی دل کو بے اختیار کیے دیتی ہے۔"[1]

ایک دوسرے مقام پر علامہ موصوف لکھتے ہیں :۔

"گلبدن تاریخی واقعات لکھنے میں اس بات سے واقف ہے کہ کس واقعہ کو سمیٹ کر اور کس واقعہ کو پھیلا کر لکھنا چاہیئے۔ وہ خوب جانتی ہے کہ کونسا واقعہ کیا اثر رکھتا ہے اور اس لیے اس کے اسباب وعلل سے کہاں تک بحث کرنی چاہیئے۔"[2]

www.kitabosunnat.com

---

[1] مقالات شبلی جلد چہارم صفحہ ۵۶

[2] مقالات شبلی - جلد چہارم -

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

علامی ابوالفضل

(آئینِ اکبری)

ابتدائیہ :۔ آئین اکبری کے ابتدائیے میں علامہ ابوالفضل لکھتے ہیں :۔

"میرا اس تصنیف سے مقصود یہ ہے کہ اپنے معاصرین کو ایک عظیم ہستی کی دانش و بینش، حسنِ انتظام اور حسنِ کردار سے آگاہ کروں جو مادّی و روحانی حقائق سے آشنا اور میدان علم و فضل کے نشیب و فراز سے آگاہ ہے۔ نیز آنے والی نسلوں کے لیے قوانین شاہی قلم بند کر کے بہترین یادگار مرتب کر جاؤں۔"

اسی ابتدائیے میں ابوالفضل حکمرانوں کی دو اقسام بیان کرتے ہیں ایک خود پسند اور خود غرض فرمانروا۔ دوسرے بے غرض اور خیر پسند حکمران! علامہ موصوف کی رائے میں اول الذکر فرمانروا اپنے خزانے کی معموری، اپنی فوج کی مستعدی، اپنے خدام کی اطاعت گذاری اور اسباب جاہ و حشم کی فراوانی پر نازاں رہتے ہیں۔ جبکہ ثانی الذکر حکمران عظمت و شوکت کے ان نشانوں پر فریفتہ ہونے کی بجائے انہی وسائل کو حق و انصاف قائم کرنے کے لیے بروئے کار لاتے ہیں ایسے حکمرانوں کی چار خصوصیات نمایاں ہوتی ہیں۔

اوّل۔ شفقت پدرانہ سے بے غرض حکمران کے سایے میں رعایا امن و سکون کی زندگی گذارتی ہے۔

دوئم۔ کرم گستری۔ سب لوگ ایسے فرمانروا کے خوانِ کرم سے گوہرِ مراد حاصل کرتے ہیں۔

سوئم۔ توکّل۔ ایسے فرمانروا دنیوی اسباب کی بجائے نصرتِ ایزدی پر اعتماد کرتے ہیں۔

چہارم۔ خدا پرستی۔ ان حکمرانوں کے معاملات کی باگ ڈور نفسانی خواہشات کی بجائے عقلِ سلیم کے ہاتھ میں رہتی ہے۔

جزو اوّل۔ آئین اکبری کے پہلے جزو میں عہد اکبری میں میوہ جات، اجناس خوردنی اور عطریات کے نرخ گوشواروں کی مدد سے بیان کیے گئے ہیں۔ نامور مصوّروں اور نادرۂ کار خطاطوں کے پہلو بہ پہلو اس دور کے مؤرخوں اور ترجمہ نویسوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اس حصّے میں بتایا گیا ہے کہ "جہاں پناہ" کو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

سررشتۂ نقل و ترجمہ اور تاریخی وقائع سے خصوصی لگاؤ ہے اسی لیے شاہ ذی جاہ کی فرمائش پر مؤرخین نے تاریخ الفی ترتیب دی ہے جس کا دیباچہ لکھنے کا شرف ابوالفضل کو حاصل ہوا جن اہم تالیفات کا ترجمہ کیا گیا اُن میں مہابھارت، رامائن، لیلاوتی، تاجک، تاریخ کشمیر، معجم البلدان، کلیلہ و دمنہ اور قصّہ نلؑ و منؑ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

"آموزش" کے باب میں بتایا گیا ہے کہ عہدِ اکبری میں علوم و فنون کو عروج نصیب ہوا۔ اور مکتبوں کی رونق میں اضافہ ہوا۔ اس دور میں ابتدائی درجوں کے طلباؔ کو حروف کی شناخت الفاظ کے معانی، مصرعوں اور شعروں کے پڑھنے کی تعلیم دی جاتی تھی اور اعلیٰ درجوں میں اخلاقیات سیاسیات منطق، طب، نجوم، ہندسہ، زراعت اور ریاضی جیسے مفید علوم و فنون کی تعلیم دی جاتی تھی۔ ہندوؤں کو ویاکرن (علم لسانیات) ویدانت (ویدوں کا علم) اور پاتنجل کی تعلیم دی جاتی تھی۔

آخر میں اُمرائے سلطنت کے سوانح حیات اور مناصب کی تفصیل کے دوش بدوش وکلائے مملکت اور وزرائے سلطنت کی فہرست دی گئی ہے، نیز آستانۂ عالی کے نمک خوار شعراء کے سوانح حیات مع اُن کے نمونۂ کلام کے درج کیے گئے ہیں۔ مختلف سنوں پر عالمانہ بحث کی گئی ہے مثلاً ہندی ترکی سنین، طوفانِ نوح کی تاریخ اور نصاریٰ کی تاریخ۔ یہاں بدقسمتی سے سنِ ہجری کے بالمقابل سنِ اکبری کے فضائل بیان کرنے میں بڑے مبالغے سے کام لیا گیا ہے۔

اکبر کی مذہبی پالیسی پر بحث کرتے ہوئے فاضل مصنف نے جز واوّل میں اس کے چند اہم اقوال درج کیے ہیں جن میں سے کچھ قارئین کی ضیافتِ طبع کے لیے نقل کیے جاتے ہیں۔

"کسی دین و مذہب میں کوئی خاص خوبی نہیں ایک ہی دل آویز حُسن ہے جو مختلف رنگوں میں جلوہ نما ہے"۔

"جب بنی نوعِ انسان کی تقدیر یاوری کرتی ہے تو ان کے فرمانروا کو اسرارِ یک رنگی سے آگاہ کیا جاتا ہے"۔

"شہِ حقیقت شناس نے عرصے تک اپنی ذات کو مذہب بیگانہ کے پردے میں مخفی رکھا"۔

"مابعد اعلیٰ حضرت سے ایسے حقائق و معارف کا ظہور ہونے لگا کہ زمانہ اور اہلِ زمانہ

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

حیرت میں پڑ گئے۔ یہاں تک کہ صفتِ راہنمائی نے اپنا جلوہ کامل دکھایا اور حقیقت افروز کلمات و ہدایات سے اہلِ جہاں بہرہ مند ہوئے۔

جزوِ دوم :۔ آئینِ اکبری جزو دوم میں چند مزید اقوال اس موضوع (اکبر کی مذہبی پالیسی) پر روشنی ڈالتے ہیں۔ جن میں سے بعض یہ ہیں :۔

"بادشاہ خدا کا سایہ ہے اور اس کا دیدار عبادتِ خداوندی کا حاصل و سرمایہ ہے"۔

"آسمانی فیض کی بارش ہر فرد پر یکساں ہوتی ہے۔ لیکن ناقص العقل ثمرات سے محروم رہ جاتے ہیں"

خداوند کریم کی حمد و ثنا دل سے ادا ہو سکتی ہے نہ کہ جسم سے۔

"اکثر لوگ حاجت برآری میں لگے رہتے ہیں اور رضائے الٰہی کے طلبگار نہیں ہوتے"

"بدی کو شیطان کی طرف منسوب کرنا اسکو خدا کی ذات میں شریک کرنا ہے۔ اجتہاد محمود ہے اور تقلید مذموم"

"نیک افراد کی صحبت امراضِ عقلی کے لیے حد درجہ مفید ہے"۔

"کم آزاری اور نیک خیالی افزونیٔ دولت کا وسیلہ ہے"۔

"تمام انبیاء اُمّی تھے اور مروّجہ علوم سے ناآشنا"۔

"خدا تک رسائی ریاضت اور نیک کرداری پر موقوف ہے"۔

"چراغ جلانا آفتاب کی شان کا اظہار ہے"۔

"اور سورج کی عبادت، خدا کی عبادت کے خیال سے ہی کی جاتی ہے"۔

"انسان اپنی پیدائش کے مہینے میں گوشت کھانے سے احتراز کرے"۔ وغیرہ!

وہ مسلک جو اکبر کے مرتے ہی دم توڑ گیا اس کے خلاف زیادہ دلائل لانے کی کیا حاجت!

جزوِ ثانی میں علامہ موصوف نے ہندوستان کے جغرافیائی حالات (حدود اربعہ، طول بلد، عرض بلد وغیرہ) پر بڑے عالمانہ انداز سے بحث کی ہے اور ہندوستان کے علوم و مذاہب پر محققانہ اسلوب سے تنقید کی ہے۔ ویدانت، پاتنجل، جین مت اور بدھ مت کے بارے پُر مغز مقالات سپردِ قلم کیے گئے ہیں۔ ہندوستان میں وارد ہونے والے مشاہیر عالم مثلاً آدم، ہوشنگ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

حام، جمشید، ضحاک، گشتاسپ، اسفندیار، اسکندر رومی وغیرہ کے سوانح حیات قلم بند کیے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ مسلمان فاتحین مثلاً امیر ناصر الدین، سلطان محمود غزنوی، بہرام شاہ، خسرو شاہ قطب الدین ایبک، غیاث الدین بلبن کے احوال کا تذکرہ ہے۔ آخر میں لکھا ہے کہ ان دنوں قبلہ عالم کی معدلت نوازی اور مرتبہ شناسی سے ہندوستان ہفت اقلیم کے منتخب باکمال افراد کا مرکز و مرجع بن گیا ہے

فاضل مصنف کا دعویٰ ہے کہ وہ برگزیدہ ارباب تصوف کی درگاہوں کا دریوزہ گر ہے اور اس گروہ سے طبعی محبت رکھتا ہے۔ لہٰذا وہ اپنی تصنیف کی تکمیل انہی کے سوانح حیات پر کر رہا ہے تاکہ یہ تالیف قبول عام کا شرف حاصل کر سکے۔ الغرض با بارتن ترمذی، جلال الدین تبریزی، شیخ علی غزنوی، شیخ حسن زنجانی، بہاء الدین ذکریا ملتانی، خواجہ بختیار کاکی، فرید الدین گنج شکر، نظام الدین اولیاء، سید محمد گیسو دراز کی خدمات کا ذکر کیا گیا ہے۔

ابوالفضل نے اکبر کی وفات پر اپنی کتاب کو ختم کرتے ہوئے لکھا ہے :-

"نیر سپہر شناسائی غروب ہو گیا۔ عقل ابزد شناس کی آنکھیں تاریک ہو گئیں۔ عقل کی پیشت خمیدہ ہو گئی۔ دانائی کا عہد تمام ہوا۔ مشتری نے چادر اپنے سر سے اتار پھینکی اور عطارد نے قلم توڑ ڈالا۔"

فضیلتِ علمی :-

عبداللہ شاہ بخارا معترف ہے "کہ وہ اکبر کی افواج کے تیروں سے اتنا نہیں ڈرتا جتنا ابوالفضل کے تیز قلم سے ڈرتا ہے"[1]

مؤلف مآثر الامراء رقم طراز ہے۔ "تمام امور سے قطع نظر شیخ موصوف نے عجیب سحر نگاری سے کام لیا ہے۔ باوجودیکہ وہ انشا پردازی کے تمام مصنوعی تکلفات سے پاک ہے۔ بایں ہمہ الفاظ کی نشست، متانت اور حسن ترکیب کا ایک حصہ اس تالیف کا جزو لاینفک ہے کہ دوسرے لوگ شاید و بایداس کی تقلید کر سکیں"۔[2]

مولانا محمد حسین آزاد اپنے مخصوص انداز میں لکھتے ہیں "ابوالفضل کا کلام سبحان اللہ!

---

[1] بحوالہ دربار اکبری [2] مآثر الامراء

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مطالب، معرفت وحکمت میں اعلیٰ درجہ کی رفعت کا حامل ہے۔ اگر ان تحریروں کو فقط خیالات شاعرانہ عبارت آرائی اور انشا پردازی کہیں تو ان کی جان پر ظلم ہے۔[1]

"بڑے بڑے انشاء پردازوں کو دیکھو! جہاں عبارت میں لطف اور کلام میں زور پیدا کرنا چاہتے ہیں تو یہاں سے کام لیتے ہیں اور حسن وجمال سے خوبی مانگ کر اپنے کلام کو رنگین و نمکین کرتے ہیں۔ یہ قادرالکلام اپنے پاک خیالات اور سادہ الفاظ میں اصلی مطلب کو اس طرح ادا کرتا ہے کہ ہزار رنگینیاں ان پر قربان ہیں۔ اس کی سادگی کے باغ میں رنگ آمیزی کا مصور اگر قلم لگائے تو ہاتھ قلم ہو جائیں۔ وہ انشا پردازی کا خدا ہے۔ اپنے لطف خیال سے عجیبی مخلوق چاہتا ہے الفاظ کے قالب میں ڈھال دیتا ہے۔"[2]

بزم تیموریہ کے مؤلف فرماتے ہیں "ابوالفضل نے یہ کتاب بڑی محنت و کاوش سے لکھی ہے یہ ایک لحاظ سے اس وقت کے ہندوستان کے علمی، مذہبی، معاشرتی، صنعتی، زرعی اور اقتصادی حالات و واقعات کا آئینہ ہے۔ اسی کی بدولت مغلیہ بادشاہوں کے سنہری دور کے مختلف پہلو واضح اور روشن ہوئے۔"[3]

بعض نقادوں نے ابوالفضل کے علمی کمالات کو تسلیم کیا ہے لیکن وہ اس کی چاپلوسی اور مداحی کی روش سے نالاں ہیں۔ مثلاً:-

ڈاکٹر سید معین الحق تحریر فرماتے ہیں۔ "ابوالفضل کی قابلیت اور اس کی وسعت معلومات میں کوئی شک کر سکتا ہے؟ اس کی دونوں کتابیں یعنی اکبر نامہ اور آئین اکبری تفصیلات و معلومات کے لحاظ سے بے مثال ہیں مگر اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جہاں تک اس کے مربی اور آباؤ اجداد کا تعلق ہے اس نے مدح سرائی کی حد کر دی ہے اور قصیدہ گو شعراء کو بھی پیچھے چھوڑ دیا ہے۔

اکبر نامہ تاریخی ادب کی صفِ اوّل میں امتیازی مقام رکھتا ہے اور مواد و معلومات کے لحاظ

---

[1] دربار اکبری ص ۴۷۱
[2] دربار اکبری ص ۶۰۹
[3] بزم تیموریہ ص ۷۳

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

سے پاکستان و ہند کی تاریخ کے لیے ایک گنجِ گراں مایہ ہے۔ لیکن بادشاہ کو اپنا ممدوح بنا لینا شاعر کے لیے مناسب سمجھا جا سکتا ہے۔ مگر مؤرخ کے لیے کسی صورت میں اس کا جواز نہیں پیدا کیا جا سکتا۔[1] کچھ ایسی ہی فردِ جرم ایلیٹ اور ڈاؤسن نے ابوالفضل پر عائد کی ہے مؤخر الذکر محقق لکھتا ہے اکبر نامہ یورپ میں وقعت کی نظر سے نہیں دیکھا جاتا کیونکہ ابوالفضل کی نظر وسیع ہے وہ غیر معمولی دل و دماغ کا انسان ہے لیکن پھر بھی وہ ایک وفادار درباری ہے۔ جو اپنے ممدوح کی نیکیوں کو اچھالتا اس کی برائیوں سے چشم پوشی کرتا اور اس کے ہوا خواہوں کا رتبہ بڑھانے کی ناروا کوشش کرتا ہے۔

سَر جدُوناتھ بھی کچھ ایسے ہی تاثرات قلم بند کرتا ہے "ابوالفضل ایک صاحبِ طرز ادیب ہے جو کسی واقعے کو بیان کرتے ہوئے، فصاحت و بلاغت کے رنگ میں ڈوب کر ایسی عجیب راہ اختیار کرتا ہے کہ معنویت گم ہو جاتی ہے"[2]

تاہم بعض اربابِ علم کو ان ناقدین و محققین سے اختلاف ہے۔ اس سلسلہ میں مولانا محمد حسین آزاد لکھتے ہیں "خوشامد کی بات ہم نہیں مانتے ہر زبان کی تواریخ موجود ہیں۔ کونسا مؤرخ ہے جو خوشامدِ شاہ اور حمایتِ قوم و فرقہ سے پاک ہو وہ اپنے آقا کا ایک نمک حلال وفادار نوکر تھا۔ اسی کے انصاف سے اس کے خاندان کی عزت و آبرو بچی۔ اس کی قدر دانی سے رکنِ سلطنت ہو گیا۔ اسی کی پرورش سے تصنیفات ہیں۔ خوشامد کیا چیز ہے! اس کا دل تو عبادت کرتا ہو گا اور جان لوٹ کر خاکِ راہ ہوئی جاتی ہو گی اس نے بہت سا ادب ظاہر کیا۔ شکریہ ادا کیا۔ لوگوں نے خوشامد نام رکھا"[3]

بعض ہندو مؤرخین بھی ابوالفضل کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔ ڈاکٹر ایس کے بینرجی کا خیال ہے۔ "ابوالفضل سب سے بلند پایہ مؤرخ ہیں وہ غیر معمولی مؤرخانہ بصیرت کے مالک ہیں"۔ جسے وہ اکبر نامہ لکھتے ہوئے بطریقِ احسن کام میں لائے ہیں اور انہوں نے مغلوں کے تمدنی و عسکری نظامات پر روشنی ڈالی ہے۔

---

[1] علمی و معاشرتی تاریخ
[2] "اورنگ زیب بادشاہ"
[3] دربار اکبری
[4] بادشاہ نامہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ابوالفضل کی ہر دو زیر بحث تالیفات[1] مغربی محققین کی توجہ کا مرکز بنی رہی ہیں۔۔۔۔۔

ابتداءً فرانسس گلیڈون نے ابوالفضل کے اکبرنامے کا انگریزی میں ناتمام ترجمہ شائع اور بلاخمن نے اس کتاب کے حصہ اوّل کو انگریزی زبان کے سانچے میں ڈھالا۔ ازاں بعد ولیم ارسکن نے اس تالیف کی تلخیص مرتب کی۔

سرسیّد احمد خان نے ابوالفضل کی تالیف آئین اکبری کا متن مرتب فرمایا اور بلاخمن اور جیرٹ دونوں کی مشترکہ مساعی سے اسکا انگریزی ترجمہ شائع ہوا۔

وضاحت :-

یہاں آخر میں یہ عرض کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ علامۃ اور علامی دونوں میں نہ ہی تَ کی علامت تانیث کی ہے اور نہ ہی یائے نسبتی ہے۔ بلکہ یہ دونوں علامات مبالغے کی صفت کو ظاہر کرتی ہیں جیسا کہ :-

ابوالفضل کو ان کے برادرِ بزرگ فیضی "علّامی" لکھتے تھے۔

---

[1] اکبرنامے کی پہلی دو جلدیں کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتیں اس لیے ان پر بحث نہیں کی گئی البتہ تیسری جلد آئینِ اکبری مستقل اہمیت رکھتی ہے۔ اس لیے اس پر تبصرہ کرنے پر اکتفا کیا گیا ہے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مُلّا احمد ٹھٹھوی (وغیرہ)

(تاریخ الفی)

جلال الدین محمد اکبر بادشاہ کی زیر سرپرستی یہ مبسوط تاریخ مرتب ہو کر منصۂ شہود پر آئی۔ جو چھ سات مؤرخین کی مشترکہ کاوشوں کا حاصل و ثمرہ ہے اس کی چار مجلدات ہیں اور ہر جلد کا مصنف جُدا[1] ہے۔ بلکہ پہلی جلد کے مؤلفین متعدد ہیں۔ یہ گراں مایہ تالیف ۱۰۰۱ھ میں مرتب ہونا شروع ہوئی اور ۱۱۱۵ھ میں پایۂ تکمیل تک پہنچی۔ اس کا مقدمہ علامی ابوالفضل کے حقیقت نگار قلم سے ہے۔

سببِ تالیف:۔

سرتاج المؤرخین ملا عبدالقادر بدایونی جنہوں نے تاریخ الفی پر نظرِ ثانی فرمائی اس مبسوط تاریخ کی ترتیب و تدوین کے موضوع پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

"حکم شاہی ہوا کہ ہجرت نبوی کو ایک ہزار سال پورے ہو گئے ہیں اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایسی تاریخ مدوّن کی جائے جو ان تمام خلفاء و سلاطین پر حاوی ہو جو ابتدا سے اب تک عالمِ اسلام میں ہو گذرے ہیں۔ بالفاظِ دیگر ایسی تاریخ مدوّن ہو جائے جو دوسری تمام تاریخوں سے افضل ہو۔ اکبر بادشاہ نے اس کا نام "تاریخ الفی" تجویز فرمایا۔"

مؤلفین تاریخ الفی

۱۔ مُلّا احمد ٹھٹھوی:۔ مشہد مقدس اور شیراز کے مشہور مکتبوں میں تعلیم پائی اور علوم متداولہ میں کمال پیدا کرنے کے بعد شاہ طہماسپ کے دربار سے وابستہ ہو گئے۔ بعد ازاں اکبر کی فرمائش پر ایران سے ہندوستان تشریف لائے اور اکبر کے مقربینِ خاص میں شمار ہونے لگے رفتہ رفتہ

---

[1] ملا عبدالقادر بدایونی نے منتخب التواریخ میں تاریخ بدایونی کی تین جلدوں کا ذکر کیا ہے لیکن انڈیا آفس لائبریری میں اس کی چار جلدیں موجود ہیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

.... ان کے علمی جوہر کھلے اور تاریخ نگاری میں انہیں شہرت حاصل ہوئی حکیم ابوالفتح کے مشورے پر، اکبر اعظم نے انہیں تاریخ الفی لکھنے پر مامور فرمایا اور تاریخ الفی کے باقی مؤلفین فارغ کر دیئے گئے۔ چنانچہ ۳۶ھ سے لے کر ۹۹۷ھ تک کے تمام واقعات ان کے کلک گہربار سے ہیں اور تاریخ الفی کی تدوین میں سب سے زیادہ انہی کی خدمات جلیلہ کو دخل ہے ۹۹۷ھ میں کسی جفاکار نے انہیں قتل کر دیا جس کے بعد شہنشاہِ اکبر نے ملا عبدالقادر کو پوری تالیف (تاریخ الفی) پر نظر ثانی کے لیے مامور فرمایا

۲۔ **حکیم ہمام ہمایوں** :۔ حکیم ہمام ہمایوں متبحر عالم دین عبدالرزاق کے بیٹے اور حکیم ابوالفتح گیلانی کے بھائی ہیں۔ حکیم ہمایوں کے والد محترم حق گوئی اور صدق بیانی کی پاداش میں قید و بند کی صعوبتیں جھیلتے رہے حتیٰ کہ قیدِ ہستی سے آزاد ہو گئے۔ چنانچہ حکیم ہمام ایران سے نقلِ مکانی کر کے ہندوستان میں وارد ہوئے اور بہت جلد جلال الدین اکبر کے مصاحبوں میں شامل ہو گئے۔ بڑی خاکساری سے اپنا نام "ہمایوں قلی" رکھ لیا۔ مگر اکبر بادشاہ نے ان کا نام ہمام رکھا جس کے معنی بلند مرتبہ رئیس کے ہیں اگرچہ ان کا منصب ششصدی تھا لیکن اکبر انہیں بہت عزیز رکھتا تھا اور دربار میں ان کا بڑا اثر و رسوخ تھا۔ انہیں توران میں شاہی سفیر بنایا گیا جہاں وہ اپنے فرائضِ سفارت بطریقِ احسن ادا کر کے واپس آئے وہ تاریخِ الفی کے مدونین میں شمار کیے جاتے تھے

۳۔ **میر فتح اللہ شیرازی** :۔ تاریخ الفی کے مرتبین میں سے ایک میر فتح اللہ شیرازی ہیں جو شاہ بیجاپور کے اصرار پر شیراز سے بیجاپور تشریف لاتے اور اس کے صاحبزادے علی عادل شاہ کے معلم مقرر ہوئے۔ ازاں بعد اکبر اعظم کی فرمائش پر دہلی آئے جس نے خان خاناں اور ابوالفتح کو ان کی پذیرائی کے لیے بھیجا اور انہیں صدارت کے منصب پر سرفراز کیا۔ اور بساور، بیدرہ اور محلی کے پرگنے جاگیر میں عنایت فرمائے۔ تفسیر، حدیث اور فقہ میں ید طولیٰ رکھتے تھے، ہندسہ، نجوم، ہیئت اور رمل میں بھی صاحبِ مقام تھے۔ اکبر کی فرمائش پر نئے سن کی داغ بیل ڈالی جس کا نام سنِ الٰہی اکبر شاہی قرار پایا اکبر کی عنایات و نوازشات ان کے دینی عقائد پر اثر انداز نہ ہو سکیں چنانچہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

وہ دولت خانہ میں امامتِ صلوٰۃ کے فرائض انجام دیتے رہے۔ ۹۹۳ھ میں امین الملک بنائے گئے تو دیوانی اور مالی دفاتر کے انتظامی امور میں راجہ ٹوڈرمل کا ہاتھ بٹاتے رہے ۹۹۷ھ میں اکبر کے ہمراہ کابل سے کشمیر جاتے ہوئے بیمار ہوئے اور جان، جانِ آفرین کے سپرد کر دی۔

شہنشاہ اکبر کو ان کی وفات کا اتنا صدمہ ہوا کہ بار بار کہتا تھا " میر وکیل وحکیم وطبیب ومنجم ما بود" فیضی نے ان کی وفات پر ایک دلدوز مرثیہ لکھا۔ نظام الدین احمد نے انہیں طبقاتِ اکبری میں ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا ہے۔" امیر فتح اللہ عقلی اور نقلی علوم میں یگانۂ عصر تھا جس کا مثیل نہ ایران وہند میں ہے اور نہ ہی پورے کرۂ ارضی میں!"

۴۔ خواجہ نظام الدین احمد:۔ اکبر کے مقرب خاص اور جن کے والد خواجہ مقیم ھروی، بابر بادشاہ کے وقت میں دیوان رہے) جو معاملہ فہمی میں بلند مقام رکھتے تھے اور دوست نوازی میں ضرب المثل تھے، ان کی تالیف طبقاتِ اکبری چھبیس ۲۶ معتبر اور مستند تاریخی کتابوں سے ماخوذ ہے۔ طبقاتِ اکبری کے طبقۂ اوّل میں شاہانِ ہند کے حالات شہاب الدین غوری سے شروع ہو کر اکبر کے اڑتیسویں ۳۸ سن جلوس پر ختم ہو جاتے ہیں۔ نیز منصب داروں، امیروں اور شاعروں کے حالات کا بیان ہے۔ دوسرے طبقہ میں فرمانروایانِ دکن، تیسرے طبقہ میں شاہانِ گجرات، چوتھے طبقہ میں شاہانِ مالوہ اور پانچویں طبقہ میں شاہانِ بنگال کا بیان ہے چھٹے طبقے میں جونپور کے بادشاہوں اور ساتویں میں شاہانِ کشمیر کا بیان ہے۔ آٹھویں طبقہ میں سندھ کے حالات ہیں، جبکہ نویں طبقہ میں تاریخ ملتان ہے۔ اختتام پر ہندوستان کا مکمل جغرافیہ ہے۔ مآثر الامراء کے مؤلف (شاہنواز) اور گلشن ابراہیمی کے مصنف (ابوالقاسم فرشتہ) دونوں ان کی علمی خدمات کے ثنا خواں ہیں اور مابعد کے اکثر وبیشتر مصنفین نے ان کی گراں مایہ تالیف سے خوشہ چینی کی ہے۔

فاضل بدایونی نے ان کی وفات پر بڑا ماتم کیا اور یہ قطعہ لکھا۔

رفت مرزا نظام الدین احمد ۔۔۔ سوئے عقبیٰ وجست زیبا رفت
جوہر او زبس کہ عالی بود ۔۔۔ در جوار ملک تعالیٰ رفت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

قادری یافت سالِ تاریخش گوہر بے بہا ز دُنیا رفت

۵۔ **ملا عبدالقادر بدایونی** :۔ ملا عبدالقادر بدایونی تاریخ الفی کے مصحح ہیں جنہوں نے نہ صرف تاریخ الفی کی دونوں ابتدائی جلدوں کی نظرثانی فرمائی بلکہ دوسرے مولفین کی اغلاط کی تصحیح فرمائی۔ ان کے تفصیلی سوانح حیات اور علمی خدمات پر اگلے باب میں روشنی ڈالی جائے گی۔

۶۔ **آصف خان** :۔ آصف خان وہ عظیم محقق و مورخ ہیں جنہوں نے تاریخ الفی کی تیسری جلد قلم بند فرمائی اور سقوط بغداد سے لے کر ۹۹۷ھ تک کے جملہ واقعات جمع کیے۔ جب یہ یادگارِ زمانہ تاریخ پایۂ تکمیل تک پہنچی تو علامی ابوالفضل نے ایک فاضلانہ مقدمے کا اضافہ کیا جس سے اس تالیف کی مورخانہ شان دوبالا ہو گئی۔

تنقیح حقائق :۔ آخر میں ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ کس کس مورخ نے "تاریخ الفی" لکھنے میں کتنا کام کیا! حسن اتفاق سے ملا عبدالقادر بدایونی نے اس صورتِ حال کو خود ہی منتخب التواریخ میں کھول کر بیان کر دیا ہے اور ہمیں کسی دوسرے مآخذ کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت نہیں رہی۔ علامہ موصوف لکھتے ہیں :۔

" چھ سات افراد کو حکم ملا کہ وہ تاریخ الفی کے ابتدائی مباحث قلم بند کریں۔ چنانچہ جب پہلے چھتیس ۳۶ سال کی تاریخ اسلام مرتب ہو چکی تو اکبر بادشاہ نے حکیم ابوالفتح کے مشورے پر ملا احمد ٹھٹھوی کو تاریخ الفی لکھنے پر مامور فرمایا (تاریخ الفی کے دوسرے مصنفین فارغ کر دیئے گئے) جب یہ تالیف چنگیز خان کے عہد سے پہلے کے واقعات تک مکمل ہو گئی تب کسی جفاکار نے اُنہیں قتل کر دیا۔ ان کے قتل ہو جانے کے بعد راقم الحروف (ملا عبدالقادر بدایونی) کو حکم ملا کہ اس کتاب کی اوّل سے آخر تک تصحیح فرما دیں۔ چنانچہ اس کی دو جلدوں پر نظرثانی کی گئی اور تیسری جلد کو آصف خان کے حوالے کر دیا گیا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

شیخ عبدالقادر بدایونی

(منتخب التواریخ)

شیخ عبدالقادر ابن ملوک شاہ بدایونی ۹۴۷ھ میں بمقام ٹونڈہ (جے پور) میں پیدا ہوئے۔ اپنے وقت کے متبحر علماء مثلاً سیّد محمد مکی، میاں حاتم سنبھلی، شیخ سعداللہ نحوی، مرزا سمرقندی، قاضی ابوالمعالی، شیخ مبارک ناگوری سے اکتساب فیض کرکے اس درجۂ کمال کو پہنچے کہ انہیں اکبر کے دربارِ شاہی میں پذیرائی حاصل ہوگئی جہاں وہ امام صلوٰۃ مقرر ہوئے۔ مابعد شعبۂ تصنیف و تالیف کے نگران اعلیٰ بھی مقرر ہوئے۔ بادشاہ نے ان کی خدمات جلیلہ سے خوش ہوکر انہیں ایک ہزار بیگھہ زمین عنایت فرمائی اور ماہوار وظیفہ (مدد معاش) بھی مقرر فرمایا۔ لیکن ان تمام عنایاتِ خسروانہ سے متمتع ہونے کے باوصف۔ ان کو اکبر کی مذہبی حکمتِ عملی ناپسند رہی جس کا وہ بڑی حق گوئی و بے باکی سے اظہار کرتے رہے۔

منتخب التواریخ ۱۰۰۴ھ میں پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ لیکن بربنائے مصلحت فاضل مؤرخ نے اسے پردۂ اخفا میں رکھا۔ جب جہانگیر کا دور آیا تو ہر زبان پر اس کا تذکرہ تھا۔ بادشاہ موصوف نے برہم ہوکر ملا بدایونی کے گھر کی اینٹ سے اینٹ بجوا دی اور اس کے ورثاء کو طلب کیا جنہوں نے منت سماجت کے بعد اپنی جان کی امان پائی اور تحریری ضمانت دی کہ اگر ان کے پاس یہ تصنیف پائی گئی تو مستوجب سزا ٹھہریں گے۔ لیکن نہ تو چاند کی کرنوں اور سورج کی شعاؤں کو گرفتار کیا جاسکتا ہے اور نہ خوشبو کو چمنستان میں پھیلنے سے روکا جاسکتا ہے۔ کتب فروشوں کی دکانوں پر یہی کتاب نظر آتی تھی اور بصد ذوق و شوق طلب کی جاتی تھی۔

منتخب التواریخ سلطان محمود غزنوی کے نام معنون ہے جس کے دور کی ابتداء بھی محمود ہے اور انتہا بھی مسعود! عہدِ اکبری میں علما و فضلاء اپنی تصنیفات بالعموم القاب شاہی سے شروع کرتے تھے۔ لیکن فاضل محقق نے اپنی تصنیف کا آغاز، حمدِ خداوندی اور نعتِ رسولؐ سے کیا ہے ملا بدایونی نے یہ بھی تصریح فرمائی ہے کہ انہوں نے تاریخ مبارک شاہی اور نظام التواریخ دونوں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کو مدّ نظر رکھا ہے۔ انہوں نے جہاں کچھ تاریخی مواد ان مصادر و منابع سے اخذ کیا ہے وہاں تھوڑا بہت اپنی طرف سے اضافہ کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ان کی تاریخ کو پیش رو دونوں مورّخوں کی کتابوں سے وہی نسبت ہے جو قطرے کو بحرِ غمّار سے، اور حباب کو تیز و تند طوفان سے!

ملا بدایونی اپنا مقصد تالیف بڑی انکساری سے ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں۔

"اس مجموعے کا نام میں نے منتخب التواریخ رکھا ہے جسکا مقصد یہ ہے کہ بادشاہوں کے ناموں اور کارناموں کو باقی رکھا جائے۔ اور ساتھ ہی مصنّف کی یادگار بھی اس سرائے مستعار میں باقی رہ جائے۔ تاکہ یہ تصنیف آخرت میں میری سرخروئی کا سامان بنے۔" وہ یہ توقع ظاہر کرتے کہ ان کی تصنیف صداقت و دیانت کے اُصولوں پر قائم ہے۔ اس لیے اگر اتفاقاً یا سہواً کوئی غلط بات ان کے نوکِ قلم پر آجائے گی تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کرمِ عمیم سے درگذر فرمائے گا۔

جزو اوّل :۔ حصّہ اوّل میں غزنوی و غوری سلطانوں، خلجی اور تغلق بادشاہوں، لودھی اور مغل حکمرانوں کے ادوارِ حکومت کا بڑا مفصّل نقشہ پیش کیا گیا ہے۔ لودھی خاندان کے بارے میں مصنّف کا قول ہے۔

"اس خاندان نے مسلمانوں کی رو بہ زوال عظمت کو سلاطین مغلیہ کی آمد تک اچھی طرح سنبھالے رکھا۔" سکندر لودھی کے بارے میں خیال ہے۔

"اس نے اسلامی عظمت کی گرتی ہوئی دیوار کو عصائے شاہی پر روک رکھا تھا۔"

جزو اوّل جہاں حقیقت پسندانہ تبصروں سے مزیّن ہے وہاں استعاروں اور تشبیہوں کے زیور سے بے نیاز و معرّا ہے۔

جزوِ دوم :۔ منتخب التواریخ کے دوسرے حصّے میں شہنشاہِ اکبر کے چالیس سالہ دورِ حکومت کا بیان ہے۔ فاضل مصنف جہاں شہنشاہِ اکبر کے سیاسی تدبّر کا مدّاح ہے وہاں اسکی مذہبی جدّتوں کا بھی شاکی ہے۔ اکبر کی مذہبی بے راہ روی کے ملّا موصوف نے دو نوں بنیادی وجوہ بیان کیے ہیں۔ ایک[1] اس کی خودسری و مطلق العنانی، دوسرے[2] فقہی موشگافیوں اور مذہبی مناظروں سے متاثر ہو کر بادشاہ کی تعلیماتِ دینی سے بدظنی!

ملّا بدایونی نے اکبر کی جن گمراہیوں پر تنقید کی ہے وہ یہ ہیں :۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اکبر کا عقیدۂ تناسخ پر ایمان، سجدۂ تعظیمی کا درباری آداب میں لزوم، سورج دیوتا کی پوجا، گائے کے ذبیحہ کی حکماً ممانعت، شاہی محل میں آتش کدے کی تعمیر، آگ و سورج دونوں کو لائق سجدہ ٹھہرانا، خوشامدی علماء کی سرپرستی، البتہ باضمیر علماء کی رسوائی کی سعی نامشکور، سنِ ہجری کو منسوخ کر کے سنِ الٰہی کا رواج۔ عربی زبان کے حروف لغت سے خارج کرنے کی مذموم تدبیر، معراج النبیؐ سے انکار، حرم سرا میں لا الٰہ الا اللہ اکبر خلیفتہ اللہ کے خود ساختہ کلمے کی ادائی، وقس علیٰ ہذا۔

بقول ملّا صاحب "اسلام کے خلاف دیگر مذاہب کے پیروکار، جو رسم یا عمل بیان کرتے اکبر اُسے نص قاطع سمجھ لیتا۔"

جُزوِ سوئم ۔ منتخب التواریخ کے تیسرے حصّے میں عہدِ اکبری کے علماء، حکماء، شعراء اور اُدباء کے سوانح حیات قلم بند کیے گئے ہیں۔ علماء میں سے صرف وُہ اکابر، جن سے فاضل مصنف کی ملاقات ہوئی یا جن سے انہوں نے خود اکتسابِ علم کیا۔ حکماء میں سے وہ جو قابلیت و مہارت میں اعجازِ مسیحی کی یاد دلاتے۔ گو وہ دریوزہ گرِ جاہ و حشم تھے۔ شاعروں کے حالاتِ زندگی کے دوش بدوش ان کے اشعارِ تابدار کے اقتباسات سے تصنیف کے حسن کو چار چاند لگ گئے ہیں۔

علماء کے زمرے میں فیضی کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

"وہ سخن آرائی، معمّہ گوئی، علم عروض، علم طب اور فنِ انشاء پردازی میں امامت کا درجہ رکھتا ہے لیکن دوسری طرف ایسا جدّت پسند، ہزل گو، متکبّر، منافق، کہ جس کے رگ و پے میں خباثت، ریاکاری، رعونت اور حُبِّ جاہ سرایت کیے ہُوئے تھی۔ مشائخ عظام اور صحابۂ کرام کا بے ادب!

اہلِ نظر نے ملّا بدایونی کی تصنیف کے اس حصّے کو سب سے زیادہ پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ چنانچہ ایس ایم اکرام لکھتے ہیں۔

"ملّا بدایونی نے معاصر مشاہیر کے کردار کی تصویر کشی گِنے چُنے الفاظ میں کر دی ہے۔"[1]

---

[1] رود کوثر

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

سید معین الدین لکھتے ہیں :-

"عبدالقادر بدایونی نے منتخب التواریخ کے جزو ثالث میں مشائخ عظام کے علاوہ اس دور کے علماء، فضلاء، شعراء اور حکماء کے حالات قلم بند کیے ہیں جن کے حالات ابوالفضل نے بوجہ تعصب اپنی تصانیف میں یا تو مجملاً شامل کیے یا سرے سے قلم انداز کر دیتے تھے۔" [1]

علمی مقام :-

ملا بدایونی پر جب عتاب شاہی نازل ہوا تو فیضی نے ایک سفارشی رقعہ اکبر کے نام تحریر کیا جس میں ملا موصوف کے بارے میں لکھا۔ "بندہ نواز! ملا عبدالقادر غیر معمولی صلاحیتوں کا مالک ہے۔ ہندی علوم انہوں نے اپنے والد بزرگوار سے حاصل کیے۔ میں انھیں گزشتہ ۲۴ سال سے ذاتی طور پر جانتا ہوں"۔ علامہ موصوف طبع موزوں رکھتے تھے اور ساتھ ہی عربی فارسی زبانوں پر کلی دسترس رکھتے تھے۔ علم نجوم اور ریاضی میں یکتائے روزگار تھے۔ [2]

بختاور خان عالمگیری لکھتا ہے "عبدالقادر بدایونی معقولات اور منقولات کے جامع تھے جو شاعری موسیقی، انشا پردازی، علم نجوم اور ریاضی میں ید طولیٰ رکھتے تھے" [3]

خافی خان جو عبدالقادر بدایونی کے افکار سے شدید اختلاف رکھتا ہے۔ معترف ہے کہ "جہانگیر کے تشدد کے باوجود دارالسلطنت میں کتب فروشوں کی دکانوں پر سب سے زیادہ منتخب التواریخ مؤلفہ بدایونی نظر آتی تھی"۔

پروفیسر آزاد مرحوم لکھتے ہیں "تعجب ہے کہ ملا صاحب خود رُوکھے سُوکھے عالم تھے، مگر طبیعت ایسی شگفتہ و شاداب لاتے تھے جو انشا پردازی کی جان تھی۔ وہ اپنی کتاب میں ہر ماجرے اور ہر معاملے کو نہایت خوبصورتی سے ادا کرتے ہیں اور اس کے حالات کی ایسی تصویر کھینچتے ہیں کہ کوئی نکتہ باقی نہیں رہ جاتا۔ اس کی ہر بات چٹکلہ ہے اور ہر فقرہ لطیفہ ہے۔ ان کی تاریخ میں یہ کوتاہی ضرور ہے کہ مہمات اور فتوحات کی تفصیل نہیں اور واقعات کو بھی مسلسل بیان نہیں کیا۔ لیکن اس

---

[1] معاشرتی و علمی تاریخ۔ صفحہ ۱۰۱

[2] بزم تیموریہ ص

[3] مرآۃ العالم

www.KitaboSunnat.com

خوبی کی تعریف کس قلم سے لکھوں کہ اکبری عہد کی ایک تصویر ہے۔ جزئیات واندرونی اسرار ہیں کہ دوسرے تاریخ نویسوں نے مصلحتاً یا بے خبری سے قلم انداز کر دیئے ہیں۔ ان کی بدولت ہم نے سارے اکبری عہد کا تماشا دیکھا۔ ان کی تاریخ اپنے مضمون ومقصود کے اعتبار سے اس قابل ہے کہ الماری کے سر پر تاج کی جگہ رکھی جائے۔ سلطنت کے عمومی انقلاب اور جنگی مہمات سے ہر شخص آگاہ ہو سکتا ہے۔ لیکن اس صاحب سلطنت اور ارکانِ سلطنت سے جو وہ آگاہ تھے۔ دوسرا نہ ہوگا۔"[1]

ڈاکٹر سید معین الحق لکھتے ہیں "بعض اوقات ملّا صاحب واقعات کو مبالغہ آمیز رنگ دے دیتے ہیں۔ لیکن طلبائے تاریخ کے لیے صحیح نتائج اخذ کرنے میں کوئی خاص دشواری پیش نہیں آتی۔ بدایونی کی تصنیف کی قدر ومنزلت اس لیے اور بھی بڑھ جاتی ہے کہ اکبر کے دین سے متعلق عیسائی پادریوں کے بعض بیانات بالکل بے سروپا ہیں۔ ملّے کے اس ڈھیر سے صحیح معلومات اخذ کرنے میں ——— منتخب التواریخ سے بہت مدد ملتی ہے۔"[2]

مؤلفین دربارِ ملّی کی رائے یہ ہے۔ "ملّا صاحب اکبر کے مذہبی رجحانات کو پسند نہیں کرتے تھے۔ اس لیے ان کی کتاب ایک ہوشیار وکیل استغاثہ کا بیان ہے کسی غیر جانبدار مصنف کا فیصلہ نہیں۔"[3]

بلاخ مین لکھتا ہے "منتخب التواریخ" میں اکبر کے کردار کے محاسن ومعایب اس انداز سے گنوائے گئے ہیں کہ یہ کتاب اس عہد کی دوسری تصانیف مثلاً اکبر نامہ آئین اکبری اور مآثر رحیمی کے مقابلے میں کہیں زیادہ معتبر اور بہتر ہے۔"

گو ایلیٹ نے ملّا موصوف کی بلند پایہ تصنیف کی ایک دو خامیوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ لیکن اُسے یہ بھی تسلیم کیے بغیر چارہ نہ تھا کہ بہت کم مؤرخ ایسے گذرے ہیں جو شیخ موصوف کی طرح اپنے جذبات کے اظہار پر قدرت رکھتے ہوں۔ خصوصاً ایسی باتیں کہہ سکیں جو حکامِ وقت کے کانوں کو ناگوار معلوم ہوتی ہوں۔

---

[1] دربارِ اکبری

[2] علمی ومعاشرتی تاریخ ——— [3] دربارِ ملّی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

محمد قاسم فرشتہ

(گلشن ابراہیمی)

۹۶۸ھ میں ملا محمد قاسم فرشتہ بن غلام علی ہندو شاہ ایران کے مشہور شہر استرآباد میں تولد ہوئے۔ عنفوانِ شباب میں احمد نگر میں مرتضیٰ نظام شاہ والی احمد نگر کے دربار میں ملازم ہوئے اور ۹۹۸ھ میں ابراہیم عادل شاہ کے دربار سے وابستہ ہوئے جس کی فرمائش اور اصرار پر انہوں نے برصغیر کے بادشاہوں اور صوفیائے کرام کے سوانح حیات پر ایک لافانی تصنیف "نورس نامہ" یا گلشن ابراہیمی قلم بند کی۔

شہ موصوف کی فرمائش یہ تھی کہ "کہ ایک ماہر غوّاص کی طرح دریائے فکر سے چمک دار جواہرات نکال کر، گوش ہائے ہوش میں آویزاں کر کے اپنی طبیعت کے باغبان سے (جو الطافِ شاہانہ کا پروردہ ہے) ایک ایسا سدا بہار گلشن آراستہ کرو جس میں معانی کے طیور چہچہاتیں۔ محمد قاسم فرشتہ نے اسی حکم کی تعمیل کرتے ہوئے ایک تصنیف گلشن ابراہیمی مرتب فرمائی جس کی ابتداء کچھ یوں ہوتی ہے۔

"یہ کتاب علم و تحقیق کی پیداوار ہے جس کا شانہ حق و صداقت کی ردا سے مزیّن ہے۔ جسے ۱۰۰۵ھ میں ابراہیم عادل شاہ کی بابرکت مجلس میں بصورت تحفہ نذر گذارا۔ میں مناسب نہیں سمجھتا کہ اپنی تصنیف پیش رَو اور معاصر مصنفین کے مقابلے میں پیش کروں۔ ہاں اتنا عرض کرنے کی جسارت کروں گا کہ اس تصنیف کو اسلاف کی تصنیف سے وہی نسبت ہے جو کعبے کو بیت المقدس سے۔ ؎

مرا سخن گرچہ آں پایہ نیست
ولے خاک فطرت تنک مایہ نیست

اپنی فاضلانہ تصنیف "گلشن ابراہیمی" کے ابتدائیے میں محمد قاسم فرشتہ نے ہندوؤں کے عقائد اور حکمرانوں کے ادوار حکومت کے بیان کے ساتھ مسلمان فاتحین کے ورودِ مسعود کا ذکر کیا ہے۔ پہلے مقالے میں سلاطین غزنہ (لاہور) اور سلاطین دہلی کے سیاسی احوال کا تذکرہ کیا ہے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

تیسرے سے چھٹے مقالے میں سلاطینِ بنگال اور شرقی حکمرانوں کے حالات مذکور ہیں۔ آٹھویں مقالے میں ٹھٹھہ اور ملتان کے امیروں کے کوائف درج ہیں۔ نویں مقالے میں سندھ کے رئیسوں اور زمینداروں کے قبیلے اور تسلط کا بیان ہے۔ جبکہ بارھویں مقالے میں ہندوستان کے صوفیوں، عالموں اور دوسرے بزرگوں کے سوانح حیات کو بڑے فاضلانہ انداز میں مرتب کیا گیا ہے اس اجمال کی تفصیل یہ ہے:۔

محمد قاسم فرشتہ اپنے مفصل مقدمۂ تاریخ میں ہندو مذہب کے معتقدات، رسم و رواج اور ملوک و سلاطین کا تذکرہ بڑے جامع انداز میں کیا ہے۔ مزید برآں ہندوؤں کے مذہبی، معاشرتی اور سیاسی احوال کا بھرپور انداز میں جائزہ لیا گیا ہے۔ اپنے اس معلومات افزا مقدمے کے بعد محمد قاسم نے جن فرمانرواؤں کے ادوارِ حکومت پر روشنی ڈالی ہے۔ ان میں سلاطینِ لاہور، شاہانِ دہلی فرمانروایانِ دکن، مختلف ریاستوں کے حکمران، مثلاً مالوہ، بنگالہ، ملتان، سندھ اور کشمیر کے حالات مذکور ہیں۔ جن میں عادل شاہی کے حالات بڑی شرح و بسط سے قلم بند کیے گئے ہیں۔ ازاں بعد مشائخِ کرام کے سوانح حیات کے ضمن میں خواجہ معین الدین چشتی، خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، خواجہ فرید الدین گنج شکر، خواجہ نظام الدین اولیاء کے علاوہ انتیس[۲۹] اکابر صوفیائے کرام کے حالاتِ زندگی اور کارنامے عقیدت کی روشنائی سے تحریر کیے ہیں۔

اس گراں بہا تصنیف کا سب سے اہم پہلو مسلمانوں کے معاشرتی اور تمدنی احوال کا تفصیلی جائزہ ہے۔ مثلاً محمود غزنوی کے ہاتھوں "عروس فلک" کی عبادت گاہ اور درسگاہ کا قیام، التمش کی علماء نوازی، علاء الدین کا مسجدیں اور کارواں سرائے تعمیر کرانا، تغلق کے دور میں مسجدوں اور مدرسوں کی تعمیر جدید، مغلوں کے دور میں مسجدوں اور مدرسوں کی تعمیر نو، امیر غازی خان کے عالی شان کتب خانے کا قیام، ہمایوں کی علم پروری اور علماء نوازی، ایسی تمدنی معلومات کے جواہر پارے گرچہ بکھرے ہوئے ہیں لیکن ان کی درخشانی اور تابانی سے پوری کتاب مطلع انوار بنی ہوئی ہے۔

چونکہ ملا محمد قاسم عادل شاہ کے دربار سے وابستہ تھے اس لیے یہ ایک قدرتی امر ہے کہ انہوں نے جنوبی ہند کی ریاستوں خصوصاً بیجاپور کے حکمرانوں کے کارناموں کو زیادہ شرح و بسط

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

سے لکھا ہے۔ فرشتہ کا بیان ہے کہ عادل شاہ نے بیجاپور میں کئی عمارات تعمیر کروائیں جن میں شاہی محل اور پیش گاہ (دیوان عام) قابل ذکر ہیں۔ محل کی دیواروں کو اندر باہر سے مطلاّ کیا گیا ہے اور نادرہ کار نقاشوں اور مصوّروں نے اس پر جاذب نظر نقاشی کی ہیں۔ محل کے ایک دروازے پر نورس بہشت نام کی ایک ہشت پہلو رفیع الشان عمارت تھی جس کی چھت سے تمام بیجاپور دکھائی دیتا تھا۔

مؤرخ فرشتہ ابراہیم عادل شاہ کی شادی کا بڑے اہتمام سے ذکر کرتا ہے وہ لکھتا ہے کہ جب عادل شاہ کی شادی محمد قطب شاہ کی ہمشیرہ چاند سلطان (عرف ملکہ جہاں) سے طے پائی تو عادل شاہ نے غائبانہ نکاح کی تقریب پر نقد و جنس دے کر اپنے خاص تمائندے بھیجے۔ ادھر جب ۹۹۶ھ میں دلہن کی پالکی شاہانہ کرّ و فر سے روانہ ہوئی تو قطب شاہ نے بے شمار کنیزیں، مشک عنبر، جواہرات کے صندوقچے۔ زرکش کپڑے اور دوسرے تحفے بھجوائے۔ یہ جہیز سو اونٹوں پر لدا ہوا تھا۔ اس قسم کی بہت سی منفرد معلومات ہیں جن کا فاضل محقق چشم دید گواہ ہے۔ جبکہ ہمیں کسی دوسرے مؤرخ کے ہاں ایسا سرمایۂ علمی نہیں ملتا۔

دہلی اور اس کے حکمرانوں کے بارے میں مؤرخ فرشتہ کا بیان بڑی اہمیّت کا حامل ہے گلشنِ ابراہیمی میں وہ رقم طراز ہے کہ جس زمانے میں تاتاریوں نے عالم اسلام میں تباہی مچا رکھی تھی۔ سلطان بلبن کا دربار عالموں اور شہزادوں کا ملجا و ماویٰ بنا ہوا تھا۔ دہلی میں اس زمانے میں تقریباً پندرہ ہزار شہزادے وارد ہوئے جو کہ سب مسلمان تھے۔ جن کے ناموں پر دہلی میں محلے بسائے گئے۔ مثلاً عباسی، سنجری، خوارزم شاہی، علوی، دیالمی، اتابکی، غوری، رومی، سنکاری یمنی، موصلی، سمرقندی، خطائی شہزادوں کے محلہ جات! وہ دہلی کی تعریف میں رطب اللسان نظر آتا ہے کہ بغداد، دمشق، سمرقند، ہرات، بلخ اور بخارا کی عظمت دہلی کے تجمّل کے سامنے ماند پڑ گئی۔ جنوبی ہند کے مؤرخ کا دہلی کے بارے میں یہ بیان کتنا معنی خیز ہے؟ محمد قاسم فرشتہ کی تاریخ گلشنِ ابراہیمی کی ایک نمایاں خوبی یہ ہے کہ اس میں مؤرخانہ دیانت سے کام لیتے ہوئے فاضل مؤرخ نے اپنے ممدوح سلطان ابراہیم کی بعض سیاسی پالیسیوں سے اختلاف کیا ہے۔ اور مغلیہ سلطنت کے ملکی نظم و نسق کے اچھے پہلوؤں کا کھلے دل سے اعتراف کیا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

گلشنِ ابراہیمی نقادوں کی نظر میں :-

محمد قاسم فرشتہ کی تاریخ گلشنِ ابراہیمی کو مشرق و مغرب کے ناقدین نے خراجِ تحسین پیش کیا ہے ان میں سے چند اصحاب کی گرامی قدر آراء نذر قارئین کی جاتی ہیں۔

ڈاکٹر اے بی ایم حبیب اللہ کی رائے میں "چند واقعات کو چھوڑتے ہوئے مجموعی طور پر مؤرخ فرشتہ کی تالیف کے مندرجات درست ہیں اور تعبیر حقائق میں اس کا انداز بڑا ہی سائنٹفک ہے" [1]

ایم جی رسول لکھتے ہیں "مشرق و مغرب کے محققین تاریخ فرشتہ کے مدّاح اور قدر شناس ہیں" [2]

چوہدری نبی احمد سندھیلوی کا تاثر ہے "کہ اس کتاب میں بادشاہِ وقت کی تعریف میں ایک حرف بھی نہیں لکھا گیا۔ جب اس کے ساتھ یہ برتاؤ رہا تو مرحوم فرمانروایانِ مملکت کس شمار میں ہوں گے"؟ [3]

خواجہ عبدالحمید یزدانی رقم طراز ہیں "تاریخ فرشتہ پاکستان و ہند کی تواریخ میں بہت مستند مانی گئی ہے۔ اس لیے مؤرخ فرشتہ بغیر سند کے بات نہیں کرتا اور اس لیے بھی کہ وہ شمالی ہند کے تنازعوں اور ذہنی و جذباتی مناقشتوں سے کوسوں دُور تھا۔ پھر اس کے ذہن میں اذتاد مائل بہ اعتدال تھی وہ شخصیتوں کا تجزیہ معروضی طور پر کرتا ہے اور مدح سرائی سے کچھ یوں احتراز کرتا ہے جیسے کسی چیز کا تجزیہ کر رہا ہو" [4]

مؤلفین دربارِ ملّی کی متفقہ رائے ہے "اس کی کتاب مسلمانوں کے ورودِ ہند کے مابعد کی عمومی تاریخ ہے جس کا بیشتر حصّہ دوسری تاریخوں پر مبنی ہے۔ البتہ ابتدائی حالات کے لیے

---

[1] فونڈیشن آف مسلم رول اِن انڈیا صفحہ ۱۶

[2] مسلم ہسٹریو گرافی صـ ۹۸

[3] تذکرہ مورخین ہند صـ ۱۹۴

[4] تاریخ ادبیات مسلمانانِ پاکستان و ہند صـ ۵۰۸

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اس کے سامنے بعض ایسی تاریخیں بھی تھیں جو آج ناپید ہیں۔ اس کے علاوہ تاریخ فرشتہ مختلف صوبجات کے حالات جاننے کے لیے بہت کار آمد ہے"۔ [1]

ڈاکٹر بنیرجی کا خیال ہے کہ "اگرچہ طبقاتِ اکبری پہلے لکھی گئی اور تاریخ فرشتہ بعد میں! تاہم تاریخ فرشتہ (گلشن ابراہیمی) سے زیادہ قابلِ اعتماد تاریخ ہے"۔ [2]

اس گراں قدر تالیف کے تین اردو زبان میں تراجم شائع ہو چکے ہیں۔ ایک ترجمہ نولکشور پریس سے اور دوسرا دارالترجمہ حیدرآباد سے زیور طباعت سے آراستہ ہوا۔ تیسرا ترجمہ حال ہی میں منظرِ عام پر آیا ہے جو عبدالحی صاحب کے قلم سے ہے۔ اوّل الذکر ترجمے کافی حد تک لفظی ترجمے تھے۔ جبکہ مؤخر الذکر بامحاورہ زبان میں ہے۔

اس شہرہ آفاق تصنیف کو لفٹننٹ کرنل جان برگز نے انگریزی زبان میں منتقل کرنے کا شرف حاصل کیا ہے۔

---

[1] دربار اکبری ص ۲۲۴

[2] ہمایوں بادشاہ ص ۲۶۲

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مُلّا عبدُالباقی نہاوندی

(مآثرِ رحیمی)

مآثرِ رحیمی نہ صرف اکبر کے سالارِ اعظم عبدالرحیم خان خانان کے حالات پر روشنی ڈالتی ہے بلکہ ہندوستان کی ایک جامع تاریخ بھی ہے اس لیے اسکے مصنّف عبدالباقی کا شمار، ممتاز تذکرہ نویسوں اور باکمال مؤرخوں میں ہوتا ہے۔ ملا عبدالباقی ۹۷۸ھ میں نہاوند کی سرزمین میں تولّد ہوئے ان کے والدِ مکرم آقا بابا عباس شاہِ ایران کے درباری تھے جس نے انہیں ہمدان کا ناظر اور وزیر مقرّر کیا۔

مُلّا عبدالباقی ابتداءً قزوین، کاشان اور قم میں افسر مال رہے۔ جب نصیب جاگے تو ترقی پاکر وزارت کے منصبِ عالی تک پہنچے۔ پھر حالات نے پلٹا کھایا تو وہ شاہِ عباس کے غیظ و غضب کا شکار ہوکر ہندوستان کی طرف نقلِ مکانی پر مجبور ہوئے۔ شیخ ابوالفضل اور عبدالرحیم خان خانان نے اُنہیں خوش آمدید کہا اور جاگیر میں مرحمت فرمائیں۔

شیخ ابوالفضل کی فرمائش پر انہوں نے اپنے کرم فرما عبدالرحیم خان خانان کے سوانح حیات (مآثرِ رحیمی) مرتّب فرمائے یہ تصنیف ۱۰۲۵ھ میں اتمام کو پہنچی۔

علّامہ موصوف ۱۰۲۶ھ میں دکن کے امین مقرر ہوئے اور سلطان پرویز بن جہانگیر نے انہیں بہار کا دیوان (وزیر) بنایا۔ ۱۰۴۸ھ میں ملا عبدالباقی اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔

اس گراں بہا تصنیف کی جلدیں تین ہیں جن کے مضامین و مباحث کا لُبِّ لباب درج ذیل ہے:۔

جلد اوّل۔ عبدالرحیم خان خانان کے اسلاف کے بارے میں بھی ہے اور غزنوی سلاطین سے شروع ہوکر جہانگیر کے عہدِ حکومت تک منتہی ہوتے ہیں۔ بنگال، جونپور، مالوہ، کشمیر اور ملتان کے حکمرانوں کے ادوارِ حکومت پر بھی سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

جلد دوئم - فاضل مصنف نے نہ صرف اپنے محسن رئیس خان خانان کے حالاتِ زندگی بیان کیے ہیں بلکہ سندھ، گجرات، دکھن اور خاندیش کی سلطنتوں کے عروج وزوال کی روداد قلم بند کی ہے۔

جلد سوئم میں فاضل مؤرخ نے خان خانان کے دربار سے وابستہ ماہرین علم وفن اور ارباب شعروسخن کا تذکرہ کیا ہے۔ ان کے دوش بدوش اس دور کے حکماء، علماء اور اُمراء کے سوانح حیات ترتیب دیئے ہیں۔ شاہانِ ہند کے وزرائے اعلیٰ کی فہرست بھی شاملِ کتاب کی گئی ہے۔ اس جزو میں خان خانان کی بنوائی ہوئی عمارات، سرکاری باغات اور رفاہ عامہ کی دوسری خدمات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ خان موصوف کی شخصیت کی بڑی دلآویز تصویر کشی کی گئی ہے جس میں امیر موصوف کی شجاعت، ذہانت، حلم اور بُردباری کے انداز قاری کے دل کو لُبھاتے ہیں۔

ملّا عبدالباقی نے خان خانان کے ابتدائی حالاتِ زندگی، دربار شاہی سے اس کے تعلقات کی نوعیت، اعلیٰ مناصب پر سرفرازی، مختلف زبانوں پر قدرت، انشا پردازی میں مہارت کے گوناگوں اوصاف بیان کیے ہیں، فتوحات میں کثرت، فن سپہ گری میں دسترس کے پہلو بہ پہلو اس کے ذوق چمن بندی اور تاریخی عمارتوں کی تعمیر کے مباحث کو احسن پیرائے میں قلم بند کیا گیا ہے۔

امیر موصوف کے دربار سے متوسل عالموں، طبیبوں اور خوشنویسوں کے ضروری احوال ترتیب دیتے ہوئے یہ دکھایا گیا ہے کہ خانِ اعظم عمر بھر اُن پر انعامات واکرامات کی بارش کرتے رہے جس سے علم کو فروغ اور ادب کو عروج نصیب ہوا۔

مآثر رحیمی میں خان خانان کی تابندہ شخصیت اور درخشندہ خدمات کا جو تذکرہ جمیل ہے اس کا ماحصل یہ ہے۔

ملّا عبدالباقی امیر موصوف کے مذاق علمی کے بارے لکھتے ہیں کہ وہ نہ صرف عربی، اُردو، فارسی، ترکی۔ ان مشرقی زبانوں میں غیر معمولی ملکہ رکھتے تھے بلکہ سلاطین یورپ سے مراسلت کی غرض سے انہوں نے متعدد مغربی زبانوں میں کامل دستگاہ پیدا کر لی تھی۔ امیر مذکور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

صاحب دیوان شاعر تھے۔ ایک مرتبہ تو نظیری، عرفی اور شکیبی سے غزل گوئی میں بازی لے گئے[له]
علاوہ ازیں انھوں نے اکبر کے ایما پر تزک بابری کا ترکی سے فارسی زبان میں ترجمہ کیا جو نہ صرف
سادہ شگفتہ اور صاف فارسی زبان میں ہے بلکہ خان خانان کی انشا پردازی کا منہ بولتا شاہکار ہے
ملا عبدالباقی نہاوندی نے خان خانان کے دربار کے شعرا اور ادبا کے حالات زندگی
بڑی تفصیل سے قلم بند کیے ہیں جن میں سے عرفی، شکیبی، حیاتی، ظہوری، نظیری، نیشاپوری،
ملک قمی، محتشم کاشی اور نوعی شیرازی کے نام یادگار ہیں۔ ان ارباب کمال پر خان خانان کا
ابر کرم برستا رہا جس سے ادب و انشا، شعر و سخن کو عروج نصیب ہوا۔ خان خانان نے
کبھی کبھار شعراء کے کلام بلاغت نظام پر اصلاح بھی دی جسے انھوں نے بخوشی قبول کیا ــــ
خان خانان فارسی زبان کے علاوہ ہندی زبان میں بھی طبع آزمائی کرتا تھا۔
ملا نہاوندی رقم طراز ہیں کہ خان خانان کا کتب خانہ بجائے خود ایک دارالحکمت (اکیڈمی)
تھا۔ میر باقی شیخ الاسلام اس کتب خانے کے مہتمم تھے۔ ملا عبدالرحیم (عنبر قلم) کے ہاتھ کے لکھے
ہوئے قلمی نسخے اس کتب خانے میں ضیا بار تھے۔ ملا محمد امین نے اکثر و بیشتر کتابوں کو منقش و
مطلا کر کے اعجوبۂ روزگار بنا دیا تھا۔ ملا محمد حسین کی بنائی ہوئی جاذب نظر جلدیں ان کتابوں
کے حسن کو دوبالا کیے دیتی تھیں۔ ادھر میاں ندیم مشفق اور مادھو جیسے یگانۂ روزگار مصوروں
کی فقید المثال تصویروں نے ان کتابوں کے جمال کو چار چاند لگا دیئے۔
ملا عبدالباقی نے مآثر رحیمی میں ان مسجدوں، مدرسوں، حماموں اور باغوں کا ذکر کیا ہے
جو خان خانان کے حکم سے منصۂ شہود پر آئے۔ مثلاً عبدالرحیم خان خانان نے برہان پور میں
ایک "نقصہ دلکشا" بنوایا۔ خاندیش میں ماہر باغبان باہر سے منگوا کر ایک چمن زار آراستہ کیا۔
جس میں عراق، خراسان اور ہندوستان کے پھلوں اور پھولوں کے پودے منگوا کر لگائے گئے
ایران، عراق اور خراسان سے خربوزے کے بیج منگوا کر دیلکوارہ کے قصبے میں ان کی
کاشت کا حکم صادر فرمایا۔ خدا کی شان! دو سال میں یہاں اتنا شیریں اور لذیذ خربوزہ پیدا ہوا

له غزل کا قافیہ چنداست، بنداست وغیرہ تھا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کہ ایران کے خربوزے مٹھاس اور حلاوت میں مات ہو گئے۔ مآثر رحیمی کے اوراق شاہد ہیں کہ خان خانان نے لاہور، احمد آباد، سورت، دہلی اور آگرہ کے اہم مقامات میں تالابوں، باغوں اور سرکاری عمارتوں کی تعمیر سازی کا بہت بڑے پیمانے پر اہتمام کیا تھا۔ اس نے جہانگیر بادشاہ کے نام نامی پر ایک نئے شہر کی آبادکاری کا انتظام کیا جس کا نام جہانگیر پورہ قرار پایا۔ جس میں فرحت افزا عمارات اور دلکشا منازل قطار اندر قطار اس شہر کے حسن و جمال کو دوچند کیے دیتے تھے۔

مقام تعجب ہے کہ ملا عبدالباقی نہاوندی کو اپنے ممدوح میں خوبیاں ہی خوبیاں نظر آتی ہیں۔ چنانچہ وہ رقم طراز ہے :۔ کہ جہاں عبدالرحیم خان خانان تدبّر و شجاعت کا اعلیٰ پیکر تھا۔ کہ جس نے گجرات و سندھ کے وسیع علاقے فتح کر ڈالے وہاں وہ عفو و درگذر کا بہترین نمونہ بھی تھا کہ اُس نے اپنے حسن کردار سے لوگوں کے قلوب و اذہان مسخر کر لیے۔

ممدوح کا مرتبہ :۔

قارئین کرام کی دلچسپی کے لیے ہم یہاں عبدالرحیم خان خانان کے علمی مقام کے بارے میں چند مؤرخین کی آراء زیب قرطاس کرتے ہیں۔

شہنشاہ جہانگیر لکھتا ہے۔ خان خانان قابلیت و استعداد میں یکتائے روزگار تھا۔ عربی فارسی، ترکی اور ہندی زبان پر غیر معمولی قدرت رکھتا تھا۔ عقلی و نقلی علوم سے بہرہ مند تھا اور شجاعت اور شہامت اور سیادت کے اوصاف عالیہ کا حامل ہونے کی وجہ سے قدرت الٰہی کا نشان تھا[1]

نظام الدین بخشی کے الفاظ ہیں۔ "فہم و دانش، علم و کمالات اس بزرگ نہاد کے جتنے لکھیں، تو میں سے ایک اور بہت میں سے تھوڑے۔ فقراء کی محبت اور ذوق سخن جو اس نے ورثہ میں پائی تھی اس کی نظیر امرائے دربار میں نہیں ملتی[2]

---

[1] توزک جہانگیری۔

[2] طبقات اکبری۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مآثرالامراء کا مؤلف رقم طراز ہے "خان خانان عربی، فارسی، ترکی اور کئی دوسری زبانوں پر بڑی دسترس رکھتے تھے۔ وہ سخن گو بھی تھے اور سخن فہم بھی"۔ [1]

بقول محمد حسین آزاد "واقعاتِ بابری ترکی زبان میں تھی۔ خان خاناں نے اکبر کے حکم سے ترجمہ کرکے پیش کی اور تحسین و آفرین کے بہت پھول سمیٹے۔ اس کی عبارت سلیس اور عام فہم ہے"۔ [2]

سید صباح الدین رقم طراز ہیں "واقعات بابری کا فارسی ترجمہ جو اُس کے قلم کا رہینِ منت ہے اب تک انشاء کے لحاظ سے بے مثل چیز سمجھی جاتی ہے اور اربابِ ذوق اُسے دلچسپی سے پڑھتے ہیں"۔ [3]

---

[1] مآثرالامراء جلد دوم ص ۳۰۹

[2] دربار اکبری

[3] بزم تیموریہ ص ۸۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

نُورُالدّین جَہانگیر

(توزکِ جہانگیری)

اس مغل فرمانروا نے ملک الشعراء فیضی جیسے باکمال شاعر اور مولانا میر کلاں ہروی جیسے خوشخصال محدّث سے اکتسابِ علم کیا۔ مزید برآں عبدالرحیم خان خانان کے فیضِ صحبت سے بہرہ مند ہوکر سپہر علم و فضل پر عبرتِ صد آفتاب ہوکر چمکا۔ چونکہ وہ ایک نکتہ رس ادیب قادرالکلام شاعر تھا اسی لیے توزکِ جہانگیری اس کے ادیبانہ اور شاعرانہ کمالات کی آئینہ دار ہے۔

توزک جہانگیری محض جہانگیر کی خود نوشت سوانح نہیں بلکہ تین اصحابِ قلم کی مشترکہ علمی و ادبی کاوشوں کا ثمرہ ہے۔

اوّلاً۔ شہنشاہ جہانگیر نے اپنے دورِ حکومت کے ابتدائی بارہ برس کے اہم واقعات کو اپنے حقیقت نگار قلم سے رقم فرمایا۔

ثانیاً۔ شہِ موصوف نے امیر معتمد خان کو حکم دیا کہ وہ سوانح نگاری کے کام کو جاری رکھے جس نے دو برس تک یہ فرض سرانجام دیا۔

ثالثاً۔ سلطان محمد شاہ کے ندیم خاص محمد ہادی مرحوم نے اس تصنیف کا افتتاحیہ اور اختتامیہ قلم بند کیا۔ یہ عہد آفریں تصنیف اسی کے ہاتھوں پایہ تکمیل تک پہنچی۔

توزک لکھنے سے نورالدین جہانگیر کی غرض و غایت کیا تھی؟ اس بارے میں خود شہِ موصوف لکھتا ہے "میں نے اپنے خادمانِ علم دقیق اور محرّرانِ شیریں رقم کو حکم دیا کہ جو (بارہ برس پر محیط) حالات میں نے اپنی خود نوشت سوانح میں درج کیے ہیں اس کے نسخے اطراف واکنافِ عالم میں بھیجے جائیں۔ تاکہ اربابِ حکومت اور اصحابِ علم و فضل اس کو اپنا دستورِ عمل بنائیں اور یہ تصنیف مملکت کی آبادی اور مخلوقِ خدا کی بہبودی کا سرمایہ ثابت ہو۔"

توزک جہانگیری کے ابتدائی صفحات میں جہانگیر نے اپنے اصلاحی کارنامے قلم بند کیے ہیں۔ مثلاً زنجیرِ عدل کے آویزاں کرنے کا حکم صادر کرنا تاکہ ہر کہ و مہ جہانگیری عدل سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کماحقہٗ فیض یاب ہو سکے[1] ناجائز محصولات کی منسوخی، شاہراہوں کے کنارے مسجدوں، کنوؤں اور سراؤں کی تعمیر، شراب نوشی کی ممانعت، غیر شرعی سزاؤں کی منسوخی، اُمراء کے لیے جاگیریں خریدنے پر قدغن، درباریوں کے مراتب میں اضافہ وغیرہ۔

اس بلند پایہ تصنیف سے جہانگیر کے دینی رجحانات کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے وُہ اپنی تخت نشینی پر جذبات شکر و سپاس کا اظہار کرتا ہے۔ تحفے تحائف ملنے پر بارگاہِ ایزدی میں سر جھکا دیتا ہے۔ غنیم کی شکست اور اپنی افواج کی فتح مندی پر سجدۂ شکر بجا لاتا ہے۔ اُسے بجا طور پر فخر ہے کہ خواجہ معین الدین اجمیری کی دعاؤں سے وہ تولّد ہوا۔ بیمار پڑتا ہے تو منت مانتا ہے کہ صحت یاب ہونے کے بعد، جس طرح باطنی طور پر خواجہ موصوف کے حلقۂ ارادت میں شامل ہو کر روحانی برکات سے مستفید ہوتا ہوں اسی طرح ظاہری طور پر بھی ان کا حلقہ بگوش ہو جاؤں گا۔ ماوراء النہر میں حضرت میاں میر سے شرف ملاقات حاصل کرتا ہے تو اُن سے قرآن حکیم کے سلیس سادہ ترجمے کی درخواست کرتا ہے۔ توزک میں جہانگیر اپنی تقصیرات کا اقرار بھی کرتا ہے وُہ مے نوشی میں مبتلا ہو جانے پر نادم دکھائی دیتا ہے اور اس کی مقدار گھٹانے کے لیے فکر مند نظر آتا ہے۔ شاہ مراد، دانیال یہ دونوں شہزادے اور خان خاناں کے والد بھی یہ سارے اہم کردار شراب نوشی کے ہاتھوں اپنے انجام کو پہنچتے دکھائی دیتے ہیں۔

شہ موصوف ہندوؤں کے علوم و فنون سے کماحقہٗ آگاہ تھے۔ شاید اس لیے کہ ان کی پہلی شادی راجہ بھگوان داس کی صاحبزادی سے اور دوسری شادی راجا اودے سنگھ کی بیٹی سے ہوئی توزک میں لکھا ہے کہ برہمن راکھی کا تہوار مناتے ہیں۔ کھتری رام چند کی راون کی فتح کی یاد میں دسہرہ مناتے ہیں۔ ویش قمری مہینے کی آٹھ تاریخ کو دیوالی کا جشن منعقد کرتے ہیں۔ شودر ہولی کی تقریب پر ایک دوسرے پر رنگ پھینک کر جی بہلاتے ہیں۔ غرض کہ ذات پات کی تقسیم تہواروں پر بھی اثر انداز ہے۔

---

[1] شہ مذکور کا ایمان ہے کہ بادشاہ کی حسن نیت پر سلطنت کی خوشحالی موقوف ہے اور اسکی نیت کا فتور سلطنت کو تباہی کے غار میں دھکیل دیتا ہے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

توزک جہانگیری کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ علم حیوانات اور علم نباتات میں انہیں بڑی دلچسپی تھی۔ پرندوں میں سے عقاب، شاہین، کوئل، بلبل اور درندوں میں سے شیر، ہاتھی ہرن، چیتے، پہاڑی بکرے، مینڈھے کے بارے میں بڑی دلچسپ معلومات فراہم کی گئی ہیں پھولوں میں چنبیلی، زعفران، کیوڑہ۔ رائے بیل، مولسری، سیوتی کے بارے اس کے مشاہدات اور تاثرات بڑے تحیر خیز ہیں، سرو، صنوبر، چنار، بید مولہ اور دیودار کے اشجار کے بارے میں اسکی معلومات بڑی وسیع ہیں۔ جن کے پودے اس نے کابل سے منگوا کر سرزمین ہند میں لگوانے کا اہتمام کیا۔

اس عہد آفرین تصنیف سے پتہ چلتا ہے کہ فنون لطیفہ پر جہانگیر کو بڑی دسترس حاصل تھی خصوصاً فن تعمیر پر وہ ناقدانہ نظر رکھتا تھا۔ اس نے رنتھمبور کے قلعے کی عمارت کا نقشہ کچھ اس طرح کھینچا ہے۔ "چونکہ قلعے کے اندرونی حصے کی عمارات ہندوانہ طرز کی تھیں اس لیے ان میں نہ روشنی کا گذر تھا نہ ہوا کا! اس لیے مجھے بالکل پسند نہ آئیں۔ بھلا! جس فرمانروا کے ذوقِ جمیل نے جامع مسجد دہلی، موتی مسجد آگرہ اور شالامار باغ لاہور جیسے فن تعمیر کے لافانی شہ کاروں کو وجود بخشا ہو اس کی نگاہوں میں ہندوؤں کا دقیانوسی فن تعمیر اور اُن کے کاریگروں کی بنائی ہوئی عمارتیں کہاں جچ سکتی ہیں۔

توزک جہانگیری شہ موصوف کی راست گوئی کا منہ بولتا شہ پارہ ہے جس میں وُہ صاف اقرار کرتا ہے کہ علامہ ابوالفضل کے قتل میں اس کا ہاتھ تھا جو باپ بیٹے دونوں میں دیوار بن کر حائل تھا اور اس کے والد کو بے بنیاد باتوں سے بہکایا کرتا تھا۔ وہ معترف ہے کہ وہ شراب کا رسیا رہا ہے۔ وہ تسلیم کرتا ہے کہ جشن نوروز کے مواقع پر وہ بنفسِ نفیس امراء کے ہمراہ کیونکر وہ دادِ عیش دیتا تھا۔ اس کا قول ہے "مجھے ایک جام مے ناب اور نصف سیر گوشت کے سوا اور کوئی چیز درکار نہیں"

توزک جہانگیری میں جو بات قارئین کے ذوق سلیم کے لیے گراں ہے وہ شہِ موصوف کا مجدد الف ثانی کے بارے میں معاندانہ رویہ ہے۔ اس نے مجدد صاحب کو عام قسم کا درویش ثابت کرنے کی جسارتِ نازیبا کی ہے۔ غالباً اس لیے کہ مجدد صاحب کی شخصیت سے جو شعاعیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

چھوٹتی تھیں وہ جہانگیر کی چشم کوتاہ بین کو خیرہ کیسے دیتی تھیں۔ ایک حکمران کی حکومت اجسام پر تھی جبکہ دوسرا دلوں کا فرمانروا تھا۔ دونوں ایک گلیم میں کیونکر سماتے؟ لیکن سیدھے سادھے انداز میں یہ کیوں نہ مان لیا جائے کہ جہانگیر ذوق تصوّف سے محروم تھا اس لیے وہ مجدّد الف ثانی علیہ الرحمتہ جیسی برگزیدہ و خدارسیدہ ہستی کے کمالات کو سمجھنے کا اہل ہی نہیں تھا

ع قدر جوہر جوہری بداند

نقد و نظر:۔

مرزا محمد ہادی نے اس تصنیف کے افتتاحیے میں جہانگیر کے سادہ اور بے تکلف اسلوب نگارش کی داد دی ہے[1]

سید صباح الدین لکھتے ہیں "وہ فارسی زبان کا ایک بے مثل انشاپرداز تسلیم کیا جاتا ہے اس کا علمی شاہکار خود اس کی توزک ہے۔ جو سادگی، صفائی، بے ساختگی اور دلآویزی میں بے عدیل ہے"[2]

علامہ شبلی فرماتے ہیں "وہ ہر قسم کے واقعات کو جس بے تکلفی، برجستگی اور دلآویزی کے ساتھ بیان کر سکتا ہے وہ بڑے بڑے انشاپرداز نہیں کر سکتے اور ساتھ ہی زبان کا ایسا لطف قائم رکھتا ہے کہ فارسی انشاپردازوں (سوانح نگاروں) میں سے کسی سے بن نہیں سکتا"[3]

رشید اختر ندوی کا خیال ہے کہ تزک جہانگیری کے وہ ابواب جنہیں جہانگیر کی زبان و قلم حاصل ہے تحریر و بیان کی جس بلندی کو چھو رہے ہیں اس تک باقی ابواب رسائی نہیں رکھتے"

جمیل الدین احمد لکھتے ہیں "توزک جہانگیری اپنے وقت کی انتہائی مستند دستاویز ہے اس کے ایک ایک لفظ سے جہانگیر کی وسعت نظر عیاں ہے"[4]

خواجہ عبدالحمید یزدانی کی رائے ہیں "یہ ایک صاحب نظر اور صاحب رائے اور جمالیاتی ذوق رکھنے والے فرمانروا کی داستان حیات ہے"[5]

---

[1] توزک جہانگیری صہ ۲

[2] بزم تیموریہ صہ ۲۵ [3] مقالات شبلی۔ جلد چہارم صہ ۸۹

[4] دیباچہ توزک جہانگیری صفحہ س [5] تاریخ ادبیات جلد چہارم صفحہ ۵۱۰ تا ۵۱۲

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

سید معین الحق رقم طراز ہیں ۔" اس میں شک نہیں کہ جہانگیر کے طرز ادا میں بہت سی خوبیاں ہیں۔ گو وہ اکثر اوقات تاریخی واقعات ادیبانہ رنگ میں بیان کرتا ہے۔ لیکن التزام کرتا ہے کہ تاریخی حقائق صحیح رنگ میں پیش کیے جائیں۔"[1]

سید صباح الدین لکھتے ہیں۔"جب وہ کسی جشن کی چہل پہل یا شبستان عیش کا نقشہ کھینچتا ہے تو اس کے سامنے اس کی ساری رنگینیاں اور سرمستیاں آجاتی ہیں۔ جب وہ کسی علمی مسئلے پر بحث کرتا ہے تو اس کے ہر پہلو کو نمایاں کر دیتا ہے۔ جب وہ کسی مقام کا ذکر کرتا ہے تو ایک محقق جغرافیہ دان کی طرح اس کے سارے معلومات فراہم کر دیتا ہے۔ جب ایک شہر کی تاریخ اور وہاں کے لوگوں کے رسوم و عادات کو تحریر کرتا ہے تو ایک مورخ کی شان میں نظر آتا ہے۔ وہ جب پھولوں، پھلوں، پرندوں اور جانوروں کی جزوی تفصیلات بیان کرتا ہے تو نہ صرف زبان کا لطف قائم رکھتا ہے بلکہ نباتات اور حیوانات کا ماہر ہونے کا ثبوت دیتا ہے۔"[2]

اس گراں مایہ تصنیف کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ میجر ڈیوڈ پرائس نے اس کا انگریزی زبان میں ترجمہ پیش کیا جبکہ اس سے قبل ولیم ارسکن نے ابتدائی نو برس (جلوس شاہی) کا ناتمام ترجمہ مرتب کیا گیا تھا۔

---

[1] معاشری و علمی تاریخ ص ۲۵۹

[2] بزم تیموریہ ص ۱۲۹

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مرزا محمد شریف

(اقبالنامہ جہانگیری)

اقبالنامۂ جہانگیری کا مصنّف مرزا محمد شریف بن دوست محمد ایران کے باشندے ہیں جہانگیر کی علم پروری اور علماء نوازی کی شہرت سن کر ایران سے ہندوستان آئے اور اس کے مصاحبوں میں شریک ہو گئے جس نے انہیں تیسرے جلوس شاہی میں معتمد خان کے خطاب سے نوازا۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ وہ پہلے پہل احدیوں کے ازاں بعد شہزادہ خرّم کے بخشی رہے ۱۰۳۰ھ میں دکن سے واپس آئے۔ اسوقت جہانگیر سخت علیل تھا اس لیے اس نے بامر مجبوری توزک لکھنے کا کام مرزا محمد شریف کو سونپ دیا جس نے سترھویں سن جلوس سے جہانگیر کی وفات تک کے حالات قلم بند کیے۔ شاہجہان نے انہیں میر بخشی کے عہدے پر سرفراز کیا۔ ۱۰۳۹ھ میں انہوں نے اپنی جان، جان آفرین کے سپرد کی۔

مرزا محمد شریف ایک تجربہ کار منتظم، اور شجاع فوجی افسر ہونے کے علاوہ بلند پایہ ادیب اور اعلیٰ درجے کے انشاء پرداز تھے چنانچہ جہاں انہوں نے توزکِ جہانگیری کی تکمیل کا فرض انجام دیا وہاں اقبال نامۂ جہانگیری کی تیسری جلد مدوّن فرمائی۔ جو اقبالنامہ جہانگیری کی پہلی دو جلدوں کی بہ نسبت زیادہ مقبول خاص و عام ہوئی۔

یہ گراں مایہ تصنیف جہانگیر کی تخت نشینی کے تذکرے سے شروع ہوتی ہے کہ نورالدین محمد جہانگیر ۱۰۱۵ھ میں پنج شنبہ کے دن نجومیوں کے مشورے سے ایک ساعت سعید میں دارالسلطنت اکبرآباد میں اورنگ شاہی پر متمکن ہوا۔ سکوں اور شاہی فرمانوں پر شہ موصوف کا نام کندہ ہوا عہدے داروں کو ترقیاں ملیں۔ دوسرے سن جلوس میں گلشن جہاں آراء کی چمن بندی کی گئی۔ تیسرے سال جہانگیر نے اپنے والد کے مقبرے پر حاضری دی اور ایصالِ ثواب کی غرض سے پچاس ہزار تومان غرباء میں تقسیم کیے۔ سولہویں سن جلوس میں جہانگیر کی علالتِ طبع اور کانگڑہ کے علاقے میں اسلامی شعائر کی ترویج کا ذکر ہے۔ "اعلانِ شاہی ہوا کہ قاضی، میر عدل

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

علمائے کرام ہم رکاب ہوں۔ قلعے کی چہار دیواری میں عظیم الشان مسجد تعمیر کی جائے۔

اس کفر گڑھ میں کہ جہاں پہلے کبھی اذان و خطبہ نشر نہ ہوئے تھے اسلامی شعائر کا نفاذ جہانگیر کا ایک دینی کارنامہ ہے جسکی جتنی ستائش کی جائے کم ہے۔

انیسویں سنِ جلوس میں ابراہیم خان خاناں کے انتقال پر اس کے محامد اور رذائل دونوں گنوائے گئے ہیں۔

مرزا محمد شریف لکھتے ہیں "جہاں وزیر موصوف تیزیٔ فہم، جودتِ طبع، فصیح اللسانی، تاریخ دانی، خوشنویسی اور لطیفہ گوئی کے اوصافِ حسنہ کے جامع تھے وہاں کج خلقی، درشت گوئی، زشت خوئی اور بدگوئی میں رسوائے روزگار تھے"

اقبال نامے کا آخری حصہ بڑا عبرت آموز ہے۔ کہ کس طرح مہابت خان نے راجپوتوں سے ساز باز کر کے جہانگیر کو اپنی حراست میں لے کر دہلی کے تخت و تاج پر قبضہ کرنے کا خواب دیکھا۔ لیکن نورجہاں کی تدبیروں نے اس کے منصوبوں کو خاک میں ملا دیا اور مہابت خان کو اپنی جان کے لالے پڑ گئے۔ اسی حصے میں جہانگیر کی اولاد، اس کے وزراء، اس کے عہد کے علماء، اُدباء، شعراء، حکماء اور موسیقاروں کی سوانح حیات حد درجہ اختصار سے بیان کی گئی ہیں اور اس عہد کی علمی و ادبی فضا کی ایسی فنکارانہ تصویر کھینچ دی گئی ہے کہ بے اختیار داد دینے کو جی چاہتا ہے۔

چھٹے سنِ جلوس میں جہانگیر مرزا غیاث کی اکلوتی بیٹی، کے تیرِ نظر کا شکار ہو گیا جو پہلے نورمحل اور بعد میں نورجہاں کے القاب سے سرفراز ہوئی۔ جس نے فیاضانہ داد و دہش سے نہ صرف عوام کے دلوں میں گھر کر لیا بلکہ اپنی فراست و لیاقت سے شہِ دوراں کو اپنا اتنا گرویدہ بنا لیا کہ ملکۂ موصوف کے نام کا سکہ چلنے لگا۔

بحکم شاہ جہاں صد زیور
بنام نورجہاں بادشاہ بیگم زر

اسی سال اُمراء کے لیے بعض اُمور شاہانہ کو اختیار کرنا ممنوع قرار دیا گیا۔ مثلاً جھروکے میں بیٹھنا، غیر شرعی سزائیں نافذ کرنا، اپنے خدام کو القابات سے نوازنا، نقارہ بجوانا اور کاغذات پر مہریں ثبت کرنا، تاکہ اُمراء میں رجحانات خودسری کی اصلاح ہو جائے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

نویں سن جلوس میں سرکش اور مغرور رانا امر سنگھ نے بادشاہ کی خدمتِ عالیہ میں بذاتِ خود حاضری دی اور بعد میں اس کے بیٹے کرن سنگھ نے شرف زمیں بوسی حاصل کیا یہ تاریخی حقائق غمازی کرتے ہیں کہ اس عہد میں کوئی ہندو ریاست جہانگیر کی سطوت کے سامنے دم نہیں مار سکتی تھی۔ چودھویں سن جلوس میں خزانۂ عامر کی معموری کا یہ حال تھا کہ سونے کا نقارخانہ بنوایا گیا جس پر پینسٹھ ہزار روپیہ صرف ہوا اور تین ہزار روپے کی لاگت سے ہاتھی کا طلائی ہودج تیار کیا گیا۔ اسی سال آگرہ سے لاہور تک ہر کوس پر سنگِ میل نصب کیے گئے اور ہر تیسرے میل پر ایک کنواں کھدوایا گیا اور دو رویہ درخت مسافروں کی آسودگی کے لیے لگائے گئے۔ پندرھویں سن جلوس میں جہانگیر نے سفر کشمیر کیا۔ اس ضمن میں کشمیر کے حکمرانوں مسجدوں، بت خانوں، تالابوں چشموں، جھیلوں اور حوضوں کے بارے میں دلچسپ معلومات فراہم کی گئی ہیں۔ مثلاً منصور نقاش (نادرالعصر) کے بارے میں بیان ہے کہ کشمیر کے سو پھولوں کی تصاویر اس نے اپنے موئے قلم سے کھینچی ہیں، وہاں کی معاشرتی زندگی اور صنعتی ترقی کا نقشہ پیش کیا ہے۔ مثلاً کشمیر کے قالینوں کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ طرح داری اور رنگ آمیزی میں بہزاد کی نقاشی کا نمونہ معلوم ہوتے ہیں۔

اقبال نامہ جہانگیری کے مقدمہ نگار محمد اقبال سلیم گاہندری لکھتے ہیں کہ یہ تصنیف دورِ جہانگیری کا بہترین روزنامچہ ہے۔[1]

خواجہ عبدالحمید یزدانی رقم طراز ہیں "اس لحاظ سے کہ اس کا مصنف ایک اعلیٰ عہدیدار ہونے کے علاوہ کئی بڑی بڑی مہمات میں حصہ لیتا رہا۔ یہ ایک مفید کتاب ہے جس کا اسلوب نگارش پُرتکلف اور آرائشی ہے۔ جیسے کہیں کہیں اشعار تابدار سے آراستہ کیا گیا ہے۔"[2]

ولیم ارسکن نے اقبال نامہ جہانگیری کی تلخیص مرتب کی جس کا نسخہ برٹش میوزیم کی لائبریری کی زینت ہے۔

---

[1] اقبال نامہ جہانگیری

[2] تاریخ ادبیات ایران۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

عبدالحمید لاہوری

(بادشاہ نامہ)

بادشاہ نامہ صاحبقران ثانی شاہ جہان کے عہد کی چار جلدوں پر مشتمل، معرکتہ الآرا تصنیف ہے جس کی ہر جلد کا مصنف جُدا ہے۔

جلد اوّل۔ اس میں شاہ جہان کے لڑکپن سے تخت نشینی تک کے واقعات مذکور ہیں اسے معتمد خان نے مرتب کیا ہے۔

جلد دوم۔ تین دفتروں پر حاوی ہے جس میں ۱۰۲۷ھ سے لے کر ۱۰۵۷ھ تک کے حالات درج ہیں۔ اسے ملّا عبدالحمید لاہوری نے قلمبند فرمایا ہے۔

جلد سوم۔ شاہ جہاں کے دس سالہ دورِ حکومت ۱۰۵۷ھ سے ۱۰۶۷ھ تک کے حالات پر محیط ہے جنہیں عبدالحمید لاہوری کے شاگردِ رشید مولوی محمد وارث نے مرتب و مدوّن فرمایا ہے۔

جلد چہارم۔ اس جلد میں مولوی محمد صالح کنبوہ نے ۱۰۶۷ھ سے ۱۰۶۹ھ تک کے دور شاہجہانی کے حالات پر قلم اُٹھایا ہے جو دراصل مولوی موصوف کی اپنی شہرہ آفاق تصنیف عملِ صالح کا ملخص ہے۔ مولوی محمد صالح کنبوہ کے سوانح حیات اور ان کی علمی خدمات پر ہم آئندہ بحث کریں گے۔ یہاں ہم بادشاہ نامے کی دوسری جلد اور اس کے مصنف عبدالحمید لاہوری کے بارے میں ضروری معلومات ہدیۂ قارئین کریں گے۔

سوانح حیات۔

مولوی عبدالحمید لاہوری شیخ ابوالفضل کے نامور تلمیذ اور علامی سعداللہ خان کے خاص ندیم تھے۔ لاہور ان کا مسکن تھا۔ ابوالفضل کے طرزِ انشاء پر لکھنے میں بڑی مہارت پائی تھی۔ لیکن ناقدریٔ زمانہ کے ہاتھوں تنگ آکر اس یگانۂ عصر نے ٹھٹھہ کے گوشۂ گمنامی کی راہ لی اور وہاں اپنی پیرانہ سالی کے دن گذار رہے تھے۔ شاہ جہان کی یہ دلی تمنا تھی کہ اُسے کوئی ایسا گوہر یکتا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مل جاتے جو اکبر نامے کے رنگ میں "بادشاہ نامہ" لکھ ڈالے علامی سعداللہ سے مشورہ کیا انہیں عبدالحمید لاہوری یاد آ گئے۔ فوراً طلبی ہوئی۔ عبدالحمید نے اپنی صحت کی خرابی، علمی کم مائیگی اور بے بضاعتی کا عذر پیش کیا۔ لیکن پیش نہ گئی۔ بامرِ مجبوری "بادشاہ نامہ" کے چند صفحات لکھ کر شاہ جہاں کی خدمتِ عالیہ میں پیش کیے جنہیں اس نے پسند فرمایا اور حکم دیا کہ کتاب جلد مکمل کر دی جائے۔ چنانچہ عبدالحمید لاہوری نے بادشاہ نامے کی دوسری جلد تن دہی سے پایۂ تکمیل تک پہنچا دی۔ جو شاہجہان کے دورِ حکومت کے ابتدائی بیس سالوں پر حرفِ آخر ہے۔

شاہ جہاں کی خدمت میں یہ گراں بہا تصنیف پیش ہوئی تو شاہ جہاں حد درجہ متاثر ہوا دو مرتبہ بادشاہ نامہ کو روپوں سے تُلوا کر عبدالحمید لاہوری پر نچھاور کر دیا۔[1]

تصنیف و تالیف کا کام بڑی عرق ریزی اور جاں فشانی کا کام ہے۔ جس سے مولوی عبدالحمید لاہوری کی صحت مزید خراب ہو گئی اور وہ اپنی وقائع نگاری کی ذمہ داری سے سبکدوش ہو کر ٹھٹھہ میں دوبارہ گوشہ نشین ہو گئے۔ تب "بادشاہ نامہ" کی تیسری جلد اُن کے شاگرد رشید محمد وارث نے مرتب کی۔ جس کی اصلاح و نظرِ ثانی کا کام علامی فہامی سعداللہ خان نے سرانجام دیا۔ ۱۰۶۰ھ میں مولوی عبدالحمید نے داعی اجل کو لبیک کہا اور ٹھٹھہ میں مدفون ہوئے۔

بادشاہ نامے کے ابتدائی مباحث سے پتہ چلتا ہے کہ جلال الدین اکبر اور سلطان جہانگیر کے ادوارِ حکومت میں خزانۂ شاہی معمور و بھرپور تھا۔ شاہ جہان نے برسرِ اقتدار آتے ہی داد و دہش کا سلسلہ شروع کر دیا۔ عبدالحمید لاہوری کے بیان کے مطابق، تخت نشینی کے موقع پر شاہجہان نے ممتاز محل کو دو لاکھ اشرفی عنایت فرمائی اور اس کا دس لاکھ روپے سالانہ وظیفہ مقرر فرمایا۔ شہزادی جہاں آرا بیگم کو ایک لاکھ اشرفی مرحمت فرمائی اور اس کا سالانہ وظیفہ چار لاکھ فرما دیا۔ دارا شکوہ کو دو لاکھ، شجاع کو ڈیڑھ لاکھ اور اورنگ زیب کو ایک لاکھ کے انعامات سے نوازا اور اپنے فرزندانِ گرامی میں سے ہر ایک کا یومیہ ایک ہزار روپے، ساڑھے سات سو روپے، اور پانچ سو روپے مقرر کر دیا۔

---

[1] عملِ صالح

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

بادشاہ نامے کے مطالعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ مغل حکومت جو عہد اکبری میں کفر و شرک کی آغوش میں چلی گئی تھی۔ دورِ جہانگیری میں روبہ اصلاح ہونے لگی۔ عبدالحمید لاہوری کے بیان کے مطابق شاہ جہان نے تخت نشین ہوتے ہی سجدۂ تعظیمی موقوف کر دیا۔ جب مہابت خان نے دربار کے اس طریقۂ سلام کے بارے اصرار کیا تو شاہ جہان نے اس امر کی اجازت دی کہ جو شخص دربار میں حاضر ہو وہ زمین پر ہاتھ رکھ کر اپنے "پشت دست" کو بوسہ دے تاکہ تعظیم بجالانے کا فرض بھی ادا ہو جائے اور سجدۂ تعظیمی کی ضرورت باقی نہ رہے۔

بادشاہ نامے کے اوراق شاہد ہیں کہ عہدِ شاہ جہانی میں اسلامی تقریبات کو آب و تاب سے منایا جاتا تھا اور خطیر رقوم غربا میں تقسیم کی جاتی تھیں۔ مثلاً رمضان کی ستائیسویں شب ۱۵ شعبان المبارک، شب برات کی تقریب پر محرم کے عشرۂ اولیٰ اور بارہ ربیع الاوّل، ان جملہ تقاریب پر دس دس ہزار روپے خزانہ شاہی سے غریبوں پر خیرات کیے جاتے اور رمضان المبارک کے مقدس مہینے میں تیس ہزار روپے کی خطیر رقم سال بہ سال بانٹی جاتی۔ اس طرح اسلامی تہواروں کی شان و تقدیس دوبالا ہو جاتی اور غریبوں کی جھولیاں گوہرِ مراد سے بھر جاتیں۔

عبدالحمید لاہوری کے بارے میں ان کے ایک ہم عصر مؤرخ نے لکھا ہے:۔

"سخن آرائی کا انداز عبدالحمید نے ابوالفضل سے سیکھا ہے اور اس فاضل بے بدل کے کلام سے اس نے پورا حصہ پایا ہے۔ چنانچہ عبدالحمید کی تحریر کا اسلوب وہی ہے کہ وہ اس پیشوائے نکتہ دان کے قدم بہ قدم چلتا ہے۔ انشا پردازی میں کامل ہے۔ اور نکتہ فہمی میں اپنے معاصروں سے بہت آگے! تاریخ نگاری میں اس نے اپنی طبع ارجمند سے ہر جگہ لطف سخن پیدا کیا ہے"[1]

مولانا محمد حسین آزاد فرماتے ہیں: "ملا عبدالحمید نازک خیال بہار بند انشا پرداز اچھے تھے دلآویز لفظ چن کر لاتے تھے اور بہاریہ فقروں میں سجاتے تھے اور مطلب ادا کر دیتے تھے۔ اُس خلاقِ معانی کا کیا کہنا! اس کے خانۂ باغ میں گل و بلبل کو لائیں تو رنگ اُڑ جائیں۔ طوطی و بلبل آئیں تو پر جل جائیں۔ وہاں تو فلسفہ و حکمت کی انشا پردازی ہے۔ بیان و مطلب کے لیے آسمان طبع سے مضمون نہیں تارے آتارتا ہے اور فلسفی نظر سے اپنی قادرالکلام

---

[1] شاہ جہان نامہ۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

زبان کے سپرد کر دیتا ہے۔"[1]

عبدالحمید یزدانی کی رائے میں "شاہ جہاں کے حالات و واقعات کے بارے میں یہ کتاب اہم و مستند ہے۔ بعد کے کئی ایک مؤرخین نے اُسے اپنا ماخذ بنایا ہے۔"[2]

ایم جی رسول لکھتے ہیں۔ "بادشاہ نامہ" دورِ شاہجہانی پر ایک ضخیم اور مستند تصنیف ہے۔"[3]

---

[1] دربار اکبری۔

[2] تاریخ ادبیات

[3] مسلم مسیٹیلوگرافی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

محمد صالح کنبوہ

(شاہ جہان نامہ)

سید محمد صالح کنبوہ، میر عبداللہ کے صاحبزادے ہیں جو صاحب دیوان شاعر ہونے کے علاوہ نادرۂ روزگار خطّاط بھی تھے دامن تخلص کرتے تھے اور اکبر نے انہیں مشکیں قلم کا لقب دیا تھا۔

پس اگر سید محمد صالح کنبوہ کے ہاں شاعرانہ اندازِ نگارش اور مصوّرانہ حسن کاری کا رنگ جھلکتا دکھائی دیتا ہے تو یہ کمالات اُنہیں اپنے والدِ بزرگوار سے بطور ورثہ کے ملے ہیں گو وہ عہدِ شاہجہانی میں پنج صدی کے منصب پر سرفراز ہوئے لیکن ان کی شہرت و فضیلت کا دار و مدار شعر گوئی، موسیقی، خطاطی، انشا پردازی اور تاریخ نویسی جیسے علوم و فنون میں دسترس پر ہے۔

محمد صالح کنبوہ کا سرمایۂ حیات صرف دو کتابیں ہیں ایک بہارِ سخن جو خطوط و رقعات کا مجموعہ ہے۔ اور فاضل مصنّف کی قادر الکلامی اور رنگیں بیانی کا زندہ جاوید شاہکار ہے۔ دوسرے "عمل صالح" جو تین جلدوں میں عہدِ شاہجہانی کی مستند و مکمل تاریخ ہے اور حسنِ بیان کے اعتبار سے اپنی مثال آپ ہے

حصّۂ اوّل۔ موخر الذکر تصنیف کی ابتدا شاہ جہان کے جلوس شاہی کے تذکرے سے بدیں الفاظ ہوتی ہے۔ "جب بہ نیک نفس فرمانروا اورنگِ شاہی پر جلوہ افروز ہوا اور ہر فرد کا دامن مراد، بامراد ہونے لگا تو اس کی انگشتری مہرِ سلیمان کا جواب بن گئی۔ اہلِ قلم کا طوطی بولنے لگا۔ بازوئے شمشیر زن کو جوہرِ مردانگی دکھانے کا موقعہ ملا۔ نقارہ و علم ہر دو کے نصیب جاگے۔ تیر و کمان کو سرِ پیر فتح و نصرت میسّر آیا۔ سلطنت و اقبال مندی کو قوت و کامرانی نصیب ہوئی۔ آسمان نے سجدۂ شکر ادا کیا۔ گردشِ روزگار نے فال نیک بختی نکالی۔ فتنہ فرو ہو گیا۔ ظلم نے منہ چھپا لیا۔ دبیروں اور سپہ سالاروں نے ہدیۂ تبریک پیش کیا۔ شہنشاہ کے نام نامی پر اشرفی کا نیا سکہ رواں ہوا جس کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ایک طرف کلمہ طیبہ مع خلفائے راشدین کے اسمائے گرامی و القابات ثبت تھے اور دوسری جانب اس بطلِ جلیل کا نام مع القابات کندہ تھا۔ شاہجہانی سکّے کے رواج سے چاندی و سونے کی منزلت بڑھ گئی۔ درہم و دینار کی شان بلند ہوئی۔ چاندی کے رُخ کی تابانی میں اضافہ ہوا۔ سونے کو سرخروئی حاصل ہوئی۔ یہاں تک کہ ان سکوں کی دیکھا دیکھی آفتاب و ماہتاب، جہاں پناہ کا نقش لینے کے لیے بے تاب ہو گئے

محمد صالح کنبوہ نے شاہ جہان کے ایک شاہی مکتوب کا متن نقل کیا ہے جس سے اسکی خارجہ پالیسی پر روشنی پڑتی ہے :-

"اللہ تعالیٰ کی عنایت و رحمت کی بدولت اس دودمانِ خلافت نشان اور خانوادۂ ذیشان کے فرمانرواؤں میں دوستی اور یکجہتی کا رشتہ استوار ہے۔ چونکہ محبت کی میراث تادیر منتقل ہوتی رہتی ہے۔ لہٰذا یہ "نعمتِ عظمیٰ" ہمارے اسلاف سے بطور وراثت چلی آتی ہے۔ اسی وجہ سے حضرت جنت مکانی اور شاہ عباس جم جاہ کے درمیان دوستی و مودّت کا رشتہ، اخوّت کی بلندیوں تک پہنچ گیا تھا۔ مناسب یہ ہے کہ ہم اپنے اجداد کی روش کو برقرار رکھتے ہوئے اس خاندان ذی شان کے ساتھ دوستی کا حق ادا کرنے کے لیے سلسلۂ مراسلت جاری رکھیں"۔

حصّہ دوئم و سوئم :-

محمد صالح کنبوہ کے شاہ جہان نامے کے دوسرے اور تیسرے جزو میں دسویں سن جلوس سے شروع ہو کر علالت و وفات تک کے احوال مذکور ہیں، ابتداً شاہ جہان کے کشمیر کے نشاط انگیز سفر کا تذکرہ ہے جس میں ڈل جھیل، مضافاتی باغات، خصوصاً باغ حیات بخش کی زیبائی، اس کے تالابوں اور حوضوں کی خوشنمائی اور مغلوں کے دم قدم سے وہاں کے باشندوں کی تہذیب و تمدن سے آگہی و آشنائی کا بیان ہے۔ ازاں بعد شاہی عمارات کے تعمیراتی محاسن کی نقاب کشائی کے پہلو بہ پہلو مغلوں کے ملکی عسکری اور مالیاتی نظام کا ذکر کیا گیا ہے

مناظرِ کشمیر

(۱) جھیل ڈل میں گل لالہ کی سُرخ رنگت سے پانی آتش بجاں نظر آتا ہے اور "گلزار خلیل" کی تلمیح کی معنویت آشکار ہوتی ہے۔ سفید کنول کی پنکھڑیاں مثل بید بیضا موسوی ہیں۔ سطح آب پر کنول کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ابھرا ہوا حصہ، ملکۂ بلقیس کی ساق سیمیں کا مظہر ہے۔ سرخ کنول کی بہار دیدنی ہوتی ہے جو یاقوت کو خجل کرتی، گلنار کو نیچا دکھاتی ہے اور آتش کدۂ فارس کو غیرت کی آگ میں جلاتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ جیسے ڈل کے وسیع آئینے پر سورج کی کرنوں کی سرخی چھا رہی ہو

(۲) گلشن حیات بخش نہایت خوش منظر ہے جس کا سبزہ لہلہا کر پھولوں کا منہ چومتا ہے ہر برگ سبز اتنا شاداب ہے کہ مخمل کا گداز پن اس کے سامنے شرمسار، سبزۂ نورستہ کی تازگی نوجوانوں کے سبزۂ خط کی یاد دلاتی ہے۔ چمن زار میں اس سرے سے اس سرے تک پھولوں سے لدے ہوئے درخت صف بستہ کھڑے ہیں جو پھولوں کی کثرت کے باعث دستۂ گل کا سماں پیش کرتے ہیں۔ چمن میں سُنبل کے پودوں کی شاخیں کچھ اس انداز سے پھیلی ہوئی ہیں جیسے نازنینانِ نازک اندام کے شانوں پر زلفیں بکھر جائیں۔ بلند و بالا ثمر دار درخت آسمان سے باتیں کر رہے ہیں۔ زائرین یہاں گھنٹوں سیر و تفریح میں مشغول رہتے ہیں۔ لیکن ان کا دل سیر نہیں ہوتا۔ بلکہ چاہتے ہیں کہ قیامت تک یہیں قیام رہے۔ اس چمن زار کا ایک وصف یہ ہے کہ ہر طرف چھوٹی چھوٹی نہریں جاری ہیں۔ گنگناتی آبشاروں کی ترنم ریزی کی صدائیں یوں معلوم ہوتی ہیں کہ فردوسِ بریں کے نیچے نہریں رواں دواں ہوں۔ حوض و تالاب ایسے صاف و شفاف ہیں کہ کوثر و تسنیم پانی پانی ہو جائیں۔ وسطی حوض چشمۂ آفتاب سے زیادہ پُر نور ہے۔ جسے دیکھ کر شانِ کبریائی یاد آتی ہے۔ ہر سُو رنگ برنگ پھول کھلے ہیں جن کا پانی میں عکس جھیل، نگارخانۂ چین کو شرماتا ہے۔ پانی اتنا ستھرا اور خوش ذائقہ ہے کہ دجلہ و فرات طالب زکوٰۃ ہوتے ہیں۔ ستھرا ہوا پانی آبِ حیواں سے پاکیزہ تر ہے۔ حوض میں فوارے اچھلتے دکھائی دیتے ہیں جن کا پانی سحاب رحمت کی طرح موتی لٹاتا ہے۔

تمدنی حالات :-

جب یہ خطۂ فردوس منظر، جلال الدین اکبر کے زیر نگیں آیا تو اس کی رونق دوچند ہو گئی۔ یہاں کے ناشائستہ اور غیر مہذب باشندے، جنہیں کپڑے دھونے کی توفیق نہ ہوتی تھی بڑے خوش مذاق اور بڑے خوش وضع ہو گئے۔ شہنشاہِ جہانگیر اپنے لاؤ لشکر سمیت یہاں کئی بار آئے جن کے میل جول سے باشندوں نے تہذیب سیکھی اور آدابِ خورد و نوش اور لباس پوشی ——

www.KitaboSunnat.com

کے اندازسے واقفیت حاصل کی وُہ علم سے بہرہ مند ہونے کی بدولت آدابِ مجلس سے بھی شناسا ہو گئے اور لطافت ونفاست کے پیکر بن گئے۔ ان کے اخلاقِ فاضلہ منتہائے کمال کو پہنچے۔ اور ان کی صنعت وحرفت نقطۂ عروج تک جا پہنچی۔

شاہی عمارات:۔

(۱) تاج محل۔ دریائے جمنا کے کنارے ایک عالی شان اور فلک بوس مقبرہ ہے۔ پہلے چبوترے کی کرسی سات گز کی بلندی تک اٹھائی گئی۔ اس پر گز بھر کی کرسی دے کر بغدادی وضع کا ہشت پہلو مقبرہ تعمیر کیا گیا۔ جو رفعت میں آسمان کو شرماتا اور زیب وزینت میں فردوس بریں کو خجل کرتا ہے۔ مقبرے کے چاروں کونوں پر سنگِ مرمر کی کرسی دے کر (جو زمین سے بیس گز بلند ہے) سات گز قطر کے باون گز اونچے سنگ مرمر کے چار مینار ہیں۔ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ کسی روشن ضمیر کی دعا زمین کے سینے سے اٹھ کر آسمان کی طرف جارہی ہو۔ روضے کے اندر باہر سنگ مرمر پر عقیق وزمرد اور لعل ویاقوت کی اتنی دل آویز پچی کاری کی گئی ہے کہ اس کی توصیف کو بیان کرنے سے زبان وقلم دونوں قاصر ہیں۔

(۲) قلعہ دہلی، کا پھیلاؤ کائنات کی وسعتوں کی طرح بے کراں ہے اس کی بلندی آسمانوں کی رفعتوں کو شرماتی ہے۔ زبان وقلم دونوں اس کی مدح سے عاجز ہیں۔ دیواروں کے نیچے تینوں طرف دریائے جمنا ٹھاٹھیں مار رہا ہے اور قلعے کی فصیلیں صاف شفاف آئینے کی مانند چمکتی ہیں جب سے دنیا آباد ہوتی ہے اس شان وشوکت کا کوئی قلعہ تعمیر نہیں ہوا۔ بلندی کا یہ عالم ہے کہ ساتواں آسمان (کیوان) اس کے سامنے پست، خندق کی گہرائی کا یہ حال کہ عقل باور نہیں کرتی کہ اس نوع کی کوئی عمارت کسی فرمانروا کے تخیل کی جولان گاہ بنی ہو اور کوئی تاجدار اس طرز کا قلعہ تعمیر کروا سکے۔

(۳) جامع مسجد دہلی۔ سبحان اللہ! کیا خوب عبادت گاہ ہے جس نے دنیا کو عزت اور بہشت کو زینت بخشی۔ سچ پوچھیے تو روزِ ازل سے آج تک ایسی پاکیزہ، دلکشا اور خوشنما مسجد چشم فلک نے نہیں دیکھی اہل نظر صبح سے شام تک اس کی زیارت سے آنکھیں ٹھنڈی کرتے ہیں۔ شہ ہفت کشور کی ہمت کے شایان شان مسجد بنی ہے، جس کی تجلی سے زمین کو آسمان کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

نورانیت کو فروغ ملا ہے، نیکوکار اور عبادت گذار یہاں نماز ادا کرتے ہیں۔ اندر باہر سُرخ پتھر میں ایسا براق سنگ مرمر لگایا ہے کہ آنکھیں روشن ہوتی ہیں۔ سنگِ مرمر میں سنگ موسیٰ کی پچی کاری سے خوشنما لکیریں اور آیتیں اس طرح عیاں ہیں جیسے حسینوں کے مصحفِ رخسار پہ زلف سیاہ! جی چاہتا ہے کہ ہر سطر کے حسن پہ جان نچھاور کر دی جائے

آمد و خرچ:۔ مملکتِ ہند بائیس[۲۲] صوبوں پہ منقسم ہے۔ ہر صوبے کا ایک ناظم اعلیٰ ہے۔ جس کی ماتحتی میں دیوان بخشی اور لشکری رہتے ہیں۔ ہر صوبے میں کئی سرکاریں ہیں ہر سرکار میں کئی شہر! ہر شہر میں کئی پرگنے! بعض پرگنوں کا سالانہ مالیہ دس لاکھ روپے ہے جو بدخشاں کے خراج کے برابر ہے۔ ہر پرگنہ متعدد دیہات پر مشتمل ہے جن میں سے چند کا مالیہ بیس ہزار ہے۔ تمام ملک میں پرگنوں کی تعداد چار ہزار ساڑھے تین سو ہے۔ دیہات کا شمار خدا ہی بہتر جانتا ہے — مملکت کا مالیہ آٹھ ارب اسی کروڑ دام ہے یعنی بائیس کروڑ روپے۔

مغل تاجدار اکبر نے اپنے اکیاون سالہ دورِ حکومت میں خزانۂ عامرہ کے لیے بھاری رقم جمع کر لی تھی۔ جسے جہانگیر نے فراخ دلی سے بائیس سال میں خرچ کر دیا۔ البتہ عہدِ شاہجہانی میں خزانہ شاہی پھر سے معمور ہوا۔ لشکروں کی تیاری کے مصارف بے حد و حساب ہیں اور جنگی مہموں پر کروڑوں روپے اُٹھ گئے ہیں۔ شاہزادوں اور امرائے مملکت کو اتنی خطیر رقوم عطا ہوئیں کہ کسی فرمانروا کے زمانے میں اس کی تہائی رقم مرحمت نہ ہوئی تھی۔ چنانچہ ابتدائے جلوس سے انتہائے سلطنت تک نو کروڑ ساٹھ لاکھ روپے بصورت نقد و جنس عطیات میں دیئے گئے اور مختلف شہروں کی مسجدوں، چمنستانوں اور قلعوں پر ڈھائی کروڑ روپے صرف ہوئے۔

بہارِ سخن۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں بہارِ سخن کا مختصر تعارف بھی پیش کر دیا جائے جو فاضل مؤلف کے رقعات و خطوط کا دلکش مُرقع ہے۔ چمن اوّل میں والیٔ ایران اور والیٔ توران کے نام شاہجہان کے دو مکتوبات ہیں۔ نیز داراشکوہ اور اورنگ زیب کے نام دو مراسلاتِ شاہی ہیں، چمن دوئم میں محمد صالح کے اپنے اعزہ و اقربا کے نام نجی خطوط ہیں۔ چمن سوئم میں کشمیر کے چمن زاروں اور شاہجہان آباد اور اکبر آباد اور لاہور کی شاہی عمارتوں کا ذکر ہے۔ چمن چہارم میں تہنیت نامے، تعزیت نامے بھی ہیں اور بعض علمی کتابوں پر ناقدانہ تبصرے بھی۔ طرزِ نگارش میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

موزون الفاظ، پرشکوہ فقرات، مقفی عبارات اور صنائع و بدائع کے التزام کے علاوہ تشبیہات کی رنگینی، استعارات کی چاشنی اور مضمون آفرینی بہارِ سخن کی ایسی خصوصیات ہیں جنہوں نے اس تصنیف کو سدا بہار گلدستہ بنا دیا ہے

علمی مغالطہ۔

یہاں ایک غلط فہمی کا ازالہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ بدقسمتی سے سید محمد صالح کنبوہ اور محمد صالح کاتشفی، دونوں مشاہیر کے حالات گڈ مڈ ہو گئے ہیں۔ زیرِ نظر ہر دو تصانیف کا مصنّف محمد صالح کنبوہ ہے نہ کہ محمد صالح کاتشفی۔ محمد صالح کنبوہ نے اپنی فاضلانہ تصنیف شاہجہان نامہ ۱۰۷۰ھ میں مکمل کی جبکہ محمد صالح کاتشفی بہت پہلے ۱۰۶۱ھ میں فوت ہو چکا تھا۔

ناقدانہ تبصرے۔

شاہجہان نامہ کے بارے میں چند اصحاب علم و فضل کے گراں قدر تبصرے زیبِ قرطاس کیے جاتے ہیں۔

محمد صالح کنبوہ کے دوست منیر لاہوری جو اپنے دور میں انشاء پردازوں کے امام تھے۔ رقم طراز ہیں "کہ اس کا کلام اتنا فصیح و بلیغ ہے کہ محتاجِ شرح نہیں، الفاظ کی سلاست، مضامین کی جدّت اور استعاروں کی لطافت بیان سے باہر ہے۔ اس کے الہامی افکار کا تنوع، تشبیہات کی ندرت اور مضمون کی نزاکت کی شرح ممکن نہیں اس کے ہر مضمون میں ہزاروں مضامین اور اشارے و کنائے ہیں ہزاروں نکتے مضمر ہیں"[1]

ڈاکٹر عبدالحمید یزدانی کے نزدیک یہ تالیف اگرچہ حجم کے لحاظ سے بادشاہ نامہ مؤلفہ عبدالحمید لاہوری سے چھوٹی ہے تاہم اپنی مستند اطلاعات کے سبب اسے بھی خاصی شہرت حاصل رہی ہے۔ طرزِ انشاء کے لحاظ سے اس کی زبان بڑی پُرتکلف اور آرائشی ہے[2]

---

[1] انشائی منیر

[2] تاریخ ادبیات پاکستان ج چہارم ص ۵۲

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ڈاکٹر ناظر حسین زیدی فرماتے ہیں "محمد صالح کنبوہ کو قدرتِ کلام، انتخاب الفاظ، اور مضمون آفرینی کا بڑا سلیقہ ہے۔ بعض جگہ لفظی مناسبتوں اور معنوی رشتوں کو اس خوبی سے پیش کیا گیا ہے کہ عبارت گنجینۂ معانی معلوم ہوتی ہے۔"[1]

چارلس ریو نے اس گراں مایہ تالیف کو "عہدِ شاہ جہانی کی مکمل اور مستند تاریخ قرار دیا ہے۔"[2]

برمن ایتھے نے (انڈیا آفس کی لائبریری کی فہرست میں) اس کتاب کے مضامین و مباحث کی اجمالی فہرست نقل کی ہے اور اسے بہت اہمیت دی ہے۔[3]

---

[1] مقدمہ شاہجہان نامہ از ناظر حسین زیدی

[2] ایضاً

[3] ایضاً

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

محمد کاظم شیرازی

(عالمگیر نامہ)

محمد کاظم شیرازی، ایران کے ممتاز علمی خانوادے کے چشم و چراغ تھے، جن کے والدِ گرامی شاہ جہان کے دور میں ہندوستان آئے اور میر منشی اور وقائع نگار کے منصب پر سرفراز ہوئے۔ محمد کاظم شیرازی کی غیر معمولی قابلیت سے متاثر ہو کر اورنگ زیب عالمگیر نے انہیں اپنے عہدِ سلطنت کی تاریخ قلم بند کرنے کا بدیں الفاظ حکم دیا:

"میری ولادت سے میری تخت نشینی تک کے حالات بادشاہ نامے میں درج ہو چکے ہیں اس لیے صرف میرے عہدِ سلطنت کے وقائع مرتب کیے جائیں۔ جنہیں دکن سے دارالخلافے تک روانگی (یعنی ۱۰۶۷ھ) سے شروع کیا جائے اور اٹھارہ سال کے دورِ حکومت کو ایک ہی مبسوط جلد میں سمو دیا جائے۔"

محمد کاظم شیرازی فرمان شاہی کی تعمیل میں ابھی دس برس کے واقعات لکھ پائے تھے کہ عالمگیر نے تاریخ نویسی کا سرکاری محکمہ ختم کر دیا اور اس طرح محمد کاظم اپنے مہتم بالشان کام کو پایۂ تکمیل تک نہ پہنچا سکے۔

ہندو مورخ جدوناتھ سرکار نے اپنی تالیف (اے شارٹ ہسٹری آف اورنگ زیب) میں یہ الزام تراشی کی ہے کہ اورنگ زیب نے وقائع نگاری کے شعبے کو محض معاشی مجبوریوں کے تحت ختم کر دیا تھا۔ حالانکہ عہدِ عالمگیری کے ممتاز مورخ محمد ساقی مستعد خان نے بہت پہلے اس امر کی وضاحت کر دی تھی کہ "مرزا محمد کاظم عہدِ سلطانی کے بیشتر واقعات محض اس لیے قلم بند نہ کر سکے کہ شاہِ دین پناہ، باطنی آرائش کے مقابلے میں ظاہری نام و نمود کو غیر ضروری سمجھتے تھے۔ اس لیے مؤرخ موصوف کو عہدِ معدلت پرور کے (یعنی مزید آٹھ برس کے) حالات لکھنے کی ممانعت کر دی گئی۔"

جدید مصنفین میں سے پروفیسر عبدالرشید نے محمد ساقی مستعد خان کی اس توجیہ کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

تائید کرتے ہوئے وقائع نگاری کے عہدے کے خاتمے کی ایک بالکل نئی توضیح بیان کی ہے اور وہ یہ کہ روز افزوں سیاسی نزاکتوں اور سفارتی پیچیدگیوں کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے، شہِ موصوف اس امر کو خلافِ مصلحت جانتے تھے کہ ان کے دورِ حکومت کے تمام حقائق منظرِ عام پر آجائیں! بلکہ وہ اپنی پالیسیوں کو مخفی رکھنے کو مناسب تر سمجھتے تھے۔

یہاں یہ امر ذہن نشین کر لینا چاہیئے کہ عالمگیر نے صرف وقائع نگاری کا محکمہ ختم کر دیا تھا۔ البتہ اہلِ قلم کو ہر قسم کی آزادی تھی کہ وہ جس طور چاہیں عہدِ عالمگیری پر قلم اٹھائیں۔ چنانچہ سرکاری سرپرستی سے بے نیاز رہ کر، اسی دور میں امیر محمد خان، عاقل خان رازی، میر محمد معصوم ابن ولی محمد، سبحان رائے پوری اور سلیمان قزوینی جیسے نامور مؤرخین نے عہدِ اورنگ زیب پر متعدد فاضلانہ تصانیف مرتب و مدوّن فرمائیں۔

مباحثِ تصنیف:۔ اورنگ زیب کی تخت نشینی پر، فاضل مؤرخ بھرپور روشنی ڈالتے ہوئے لکھتا ہے کہ جب یہ عدل پرور فرمانروا اورنگِ شاہی پر مسند آرا ہوا تو اس یادگار تقریب پر درباریوں نے شہِ موصوف پر زر و سیم، اور لعل و جواہر نچھاور کیے۔ ادھر شاہ ذی جاہ نے درباریوں کو خلعت عطا کیے۔ ارباب نغمہ و سرود کو انعامات دیئے۔ تین لاکھ روپیہ اُمراء اور خدمت گذاروں کو مرحمت فرمایا۔ غرضیکہ ایسا جشنِ طرب منایا گیا جس کی نظیر تاریخ عالم میں شاید ہی ڈھونڈھے سے ملے۔ اس دور کی تعلیمی و تہذیبی ترقیوں کے بارے میں فاضل محقق لکھتا ہے کہ اورنگ زیب نے شاہی مسجد کی تعمیر و مرمت کا حکم دیا۔ متعدد نئی مساجد تعمیر کرنے کے احکامات صادر فرمائے تنخواہ دار امام اور مؤذن مقرر مقرر کیے۔ قصبوں اور شہروں میں مکتب و مدارس قائم ہوئے۔ جن میں قابل نرین اساتذہ منتخب کر کے تعینات کیے گئے۔ نیز طالبانِ علم اور دل دادگانِ ہنر کیلئے ان کی حیثیت کے مطابق وظائف مقرر ہوئے۔

اورنگ زیب عالمگیر کی تعمیری و رفاہی خدمات کے بارے میں وہ تصریح کرتا ہے کہ شاہ ذی جاہ کے فرمان سے پرانی سراؤں کی مرمت کروائی گئی۔ ہر نئی منزل پر قیام گاہ کی تعمیر کا اہتمام ہوا۔ بڑے پیمانے پر سرائیں تعمیر کروائی گئیں۔ جن سے مسجدیں، حمام اور کنوئیں ملحق ہوتے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

تاکہ مسافروں کو زیادہ سے زیادہ سہولتیں میسر آسکیں

تصنیف کے محاسن :۔ جدید مؤرخین نے اس محققانہ تصنیف کی بڑی توصیف کی ہے مثلاً : چودھری نبی احمد لکھتے ہیں :۔ " عالمگیر نامہ اورنگ زیب کے دس سالہ عہدِ حکومت کی تاریخ ہے جو اسی انتظام و اہتمام کے ساتھ مرتب کی گئی ہے ، جس اہتمام کے ساتھ " اکبر نامہ " اور " بادشاہ نامہ " مرتب ہوئے ۔ [1]

اسی طرح خواجہ عبدالحمید یزدانی رقم طراز ہیں : " یہ تاریخ اورنگ زیب کے عہدِ سلطنت کے پہلے دس برسوں کے حالات کا دلکش مرقع ہے جس میں سیاسی واقعات کے علاوہ ، تہذیبی تمدنی ، اور معاشرتی زندگی کی جھلکیاں بھی ملتی ہیں " [2]

تصنیف کے معائب :۔ اس بلند پایہ علمی تصنیف کا رُخ زیبا دو عُیوب سے داغدار ہے اوّل ؛ جس پُر تکلّف طرزِ تحریر پر خود فاضل مصنّف نے اپنی تصنیف کے مقدمے میں فخر و مباہات کا اظہار کیا ہے وہ اکثر و بیشتر ناقدینِ ادب کے نزدیک " تصنّع ، بناوٹ ، غیر ضروری طوالت اور ناپسندیدہ ثقالت سے عیب دار ہے " جس سے اس تصنیف کی ادبی شان مجروح ہوگئی ہے ۔ اور فاضل مصنف ابوالفضل کے اسلوب کے تتبّع میں اپنی سی کوشش کے باوجود کافی حد تک ناکام رہا ہے ۔

دوئم ؛ فاضل مؤرّخ نے جابجا درباریوں کی سی مدح پسندی اور چاپلوسی کا اسلوب اختیار کرلیا ہے ۔ چنانچہ جہاں وہ اورنگ زیب کی تعریف و توصیف میں مبالغہ آرائی اور مدح سرائی سے کام لیتا ہے وہاں وہ شاہِ موصوف کے بھائیوں کے اسمائے گرامی بگاڑ کر لکھنے سے بھی نہیں چوکتا ۔ مثلاً وہ شجاع کو ناشجاع ، اور داراشکوہ کو بے شکوہ ، کے طنزیہ القاب سے نوازتا ہے ۔ بلا شبہ یہ اندازِ نگارش فاضل مصنّف کے علمی رتبے کے شایانِ شان نہیں قرار دیا جاسکتا ۔

عالمگیر نامہ کے محاسن و معائب دونوں ہدیۂ قارئین کر دیئے گئے ہیں تاکہ وہ میزانِ عدل و اعتدال پر جانچ تول کر اس کا علمی مرتبہ خود متعیّن کر سکیں ۔

---

[1] تذکرہ مؤرخین : صد ۹۲

[2] تاریخ ادبیات صد ۵۲۵

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

محمد ساقی المُلقّب مستعد خان

(مآثرِ عالمگیری)

محمد ساقی کی علمی زندگی کا آغاز اس وقت ہوتا ہے جب انہوں نے اپنے دوست بختاور خان کا مرات العالم تاریخ مرتب و مدوّن کرنے میں ہاتھ بٹایا جو اورنگ زیب کے منصب دار ہونے کے علاوہ بہت سی کتابوں کے مصنف تھے۔ ۱۰۹۶ھ میں جب بختاور خان وفات پا گئے تو عالمگیر نے محمد ساقی الملقب بہ مستعد خان کو وقائع نگار کے عہدے پر فائز المرام کر دیا اور انہیں شرف تقرب بھی بخشا۔

محمد ساقی بہادر شاہ عالمگیر کی وفات کے بعد صدر دیوان وزارت عنایت اللہ کے ماتحت منشی مقرر ہوئے اور انہی کی فرمائش پر محمد ساقی نے مآثرِ عالمگیری لکھنا شروع کی۔

مآثرِ عالمگیری کتاب کا نام بھی ہے اور اس کی تاریخ اتمام بھی۔ یعنی ۱۱۲۲ھ میں یہ گرانمایہ تصنیف پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ اس تصنیف کا دوسرا نام "ساقی نامہ" بھی ہے۔

محمد ساقی کے سوانح حیات پر نگہ غائر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ محمد ساقی کو عہدِ عالمگیری میں متعدد سرکاری ذمہ داریاں تفویض تھیں ایک طرف وہ ضروری و مخفی احکام لکھنے پر مامور تھے۔ تو دوسری طرف انہیں انشائے نظارت کے عہدے پر سرفراز کیا گیا تھا۔ فاضل مولف نے خود ہی اپنی تصنیف کے افتتاحیے میں تصریح کر دی ہے کہ جس طرح اس نے اورنگ زیب کے چالیس سالہ احوال جمع کیے تھے۔ اسی طرح شہ موصوف کے دس سالہ حالات مرزا محمد کاظم کے عالمگیر نامہ سے ملخصاً درج کیے ہیں تاکہ یہ تلخیص مآثرِ عالمگیری کا مقدمہ بن کر اس کی محققانہ و فاضلانہ تصنیف کی معنویت بڑھا دے اور اس کے حسن کو چار چاند لگا دے۔ اور جو باذوق قاری اورنگ زیب کے عہد معدلت مہد کے پچاس سالہ واقعات سے کُلی آگاہی حاصل کرنا چاہے وہ اپنے گوہر مقصود کو حاصل کر سکے اور اُسے عالمگیر کے بقیہ دس سالہ عہدِ حکومت کو جاننے کے لیے کسی دوسری تصنیف کی طرف رجوع کرنے کی حاجت باقی نہ رہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

شہرِ موصوف کے دورِ حکومت کے احوال و کوائف میں سے بہت سے واقعات اس کے اپنے چشم دید ہیں کیونکہ وہ زندگی بھر تیموری سلطان اورنگ زیب کے ساتھ شاہی محلات کی نجی محفلوں سے لے کر میدان کارزار کی ہنگامہ آرائیوں تک ہم مجلس و ہمرکاب رہا اور بعض واقعات اس نے ثقہ راویوں سے اخذ کیے ہیں جنہیں وہ محرمان و مقربان بارگاہ اور خواجہ سرایان کہن سال کے التفات سے نوازتا رہا۔

محمد ساقی نے اپنا مقصدِ تالیف بیان کرتے ہوئے صدر دیوان وزارت عنایت اللہ کے یہ الفاظ نقل کیے ہیں۔ "چونکہ تم حضرت خلد مکان کے عقیدت شعار خادم ہو اور فن انشا میں یدِ طولیٰ رکھتے ہیں۔ اس لیے کارِ خیر انجام دو۔"

اور پھر ان منکسرانہ احساسات کا اظہار کیا۔ "امید ہے کہ یہ قیمتی گوہر اربابِ نظر کی نگاہ میں شرفِ قبولیت حاصل کرے گا۔ لیکن اگر اس گوہر آبدار پر نقصان و خطاء کی تیرگی کی کچھ جھلک نظر آئے تو اسے جوہر سنج اصحاب اپنی اصلاح کی تنویر سے دُور فرمائیں۔"

اکبر اعظم نے جس مصلحت کوشی کے رنگ میں سلطنت کو رنگنا شروع کیا اور ہندو نوازی میں اتنا آگے بڑھ گیا کہ اگر ایسا طریقِ جہانبانی و جہاں آرائی تادیر جاری و ساری رہتا تو تیموری سلطنت ایک نہ ایک دن ہندو سلطنت میں تبدیل ہو جاتی۔ اورنگ زیب کے برسرِ اقتدار آنے سے پہلے ہندو تہذیب و ثقافت غالب تھے۔ اسلامی شعار پامال تھے۔ ہندوانہ پگڑی اور گھیر دار پاجامہ درباری لباس بن گئے تھے۔ دربار میں سلام مسنون کی جگہ سجدۂ تعظیمی نے لے لی تھی۔ تیموری بادشاہ ہندو راجاؤں کی طرح زیور پہنتے اور بعض مسلمان اُمراء کی غیرت اتنی مٹ گئی تھی کہ وُہ ہندوؤں کے ہاں اپنی بیٹیوں کو بیاہنے لگے تھے۔

ان حالات میں مشیتِ خداوندی کا اقتضاء ہوا کہ اورنگ زیب کے ذریعے دینِ حق کا احیاء ہو۔ اور حکومت جو کفر کی آغوش میں جا چکی تھی اُسے دوبارہ دینِ حق کی سربلندی کا ذریعہ بنائے۔

اورنگ زیب نے جلوسِ شاہی کے دوسرے ہی سال جو سکہ رواں کیا اُس سے کلمہ طیبہ اور آیاتِ قرآنی (بے ادبی سے بچنے کے لئے) حذف کر کے یہ شعر کندہ کرنے کا حکم صادر فرمایا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

سکہ زد در جہاں چو بدرِ منیر
شاہِ اورنگ زیب عالمگیر

اسی سال عالمگیر نے جشنِ نوروز کو منسوخ کیا اور اس کی جگہ "جشنِ نشاط افروز" کو رواج دیا جو رمضان کے مقدس مہینے سے شروع ہوتا اور عید الفطر کے تہوار پر ختم ہوتا۔ تقویم یا جنتریاں ماہِ رمضان ہی سے شروع کی گئیں۔ اسی سال غیر شرعی اعمال کو روکنے کے لیے عہدۂ احتساب قائم کیا گیا جس کے سربراہ ملّا عوض چیون مقرر ہوئے۔ اسی سال حرمین شریفین میں تیس ہزار روپے نقد اور دوسرے تحفے بھجوائے۔ نماز یا جماعت ادا کرنے کی غرض سے ایک مختصر سی مسجد صرف کنیز سے تیار ہوئی جس کی پیشانی پر یہ آیت کریمہ درج تھی۔

"وَاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا"

اکیسویں سنِ جلوس سے مستعد خان نے اورنگ زیب کے دینی و اصلاحی کارناموں کو زیادہ شرح و بسط سے لکھا ہے۔ چنانچہ فاضل مؤرخ رقم طراز ہے۔ بادشاہ کی عمر اکیاون برس کو پہنچی تو انہوں نے وزن شمسی کی رسم کو یکسر موقوف کر دیا۔ جلوس شاہی کے تیرھویں سال میں مسنون طریقۂ سلام کو رواج دے کر کورنش بجالانے کے رواج کو ختم کر دیا۔ سرکاری دفاتر میں نقرئی دوات کے استعمال کو ممنوع ٹھہرایا گیا اور چینی پتھر کی دواتیں استعمال کرنے کو رواج دیا بلا ضرورت عمارات بنانے کو حکماً ممنوع قرار دے دیا۔

کتاب کے اواخر میں مستعد خاں نے بادشاہ شریعت پناہ کے پاکیزہ کردار کی تصویر کشی کرتے ہوئے لکھا ہے۔" اورنگ زیب کی اوّل وقت نماز باجماعت کی ادائی۔ پیر، جمعرات اور جمعہ کا صائم رہنا، آخری عشرے میں اعتکاف، زکوٰۃ کی ادائیگی کا اہتمام، غیر محرم عورتوں سے غضِ بصر، غیر مشروع لباس پہننے سے اجتناب۔ اہلِ احتیاج کی ناشائستہ گفتگو پر تحمل، محکمۂ احتساب کا قیام، فتاویٰ عالمگیری کی تدوین، احکامِ شرعیہ کا نفاذ، غربا کے لیے خیرات خانوں اور مسافروں کے لیے مسافر خانوں کا بندوبست، آئمہ مساجد اور موذنین کی شاہی خزانے سے کفالت، علمائے کرام کے وظائف کا تقرر، غلے و اناج سے ٹیکسوں کی معافی، شہزادوں کی تعلیم و تربیت میں مستعدی، یہ اورنگ زیب کے کردار کے رُخ ہائے زیبا ہیں۔ فاضل مؤرخ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کے الفاظ میں "اورنگ زیب کے عہدِ معدلت میں دینِ متین کا آوازہ بلند ہوا اور جس طرح مملکتِ ہند میں شریعتِ اسلامی کا کامل نفاذ ہوا اس کی نظیر سابق فرمانرواؤں کے ہاں نہیں ملتی۔"

عالمگیر کے ایک سرکاری مؤرخ محمد کاظم نے ایک بلیغ شعر میں اورنگ زیب کی سیرت کو بیان کر دیا ہے

؎ نہ کردہ بہر رضائے خدائے عزّ و جلّ
نہ چشم سوئے غزال، ونہ گوش سوئے غزل

مآثرِ عالمگیری اس امر کی ناقابلِ تردید شہادت ہے کہ ہندوؤں سے عالمگیر کا برتاؤ حد درجہ مشفقانہ تھا۔ نہ کہ متعصبانہ۔ اس نے دکن و گجرات کے علاقوں میں ہندوؤں کو بڑی بڑی جاگیریں دیں۔ اپنے دربار میں ہندو اُمراء کو اعلیٰ عہدوں پر فائز کیا۔ راجہ بھیم سنگھ، اندر سنگھ، بہادر سنگھ، مان سنگھ، اچلاجی۔ مانکوجی، نواب سنگھ، اودیت سنگھ، اودے سنگھ، باسدیو سنگھ بشن سنگھ، رام چند، ملوک چند، سوبھان، کشور داس وغیرہ سب اعلیٰ مناصب پر متعین تھے۔

مستعد خان کے عالمگیر نامے سے ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ عالمگیر اپنے معاصر مسلمان فرمانرواؤں سے زیادہ سے زیادہ دوستانہ روابط استوار کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ جہاں شریف مکہ، حاکم حبش، حاکم یمن۔ حاکم بخارا کے ایلچی اور نمائندے اُن کے لیے تحفے تحائف لے کر آتے وہاں اعلیٰ حضرت عالمگیر ان کے لیے بڑھ چڑھ کر تحائف بھجواتے اور سفیروں کو انعام و اکرام سے مالا مال کر کے لوٹاتے۔

اورنگ زیب عالمگیر کی سب سے چہیتی بیوی زینب بانو تھی جس کی وفات کے بعد عالم گیر نے لہو و لعب کو ترک کر دیا اور شب بیداری و عبادت گذاری کو اپنا معمول بنایا۔ فاضل مؤرخ ہمیں بتاتا ہے کہ اس عفیفہ کی وفات ایک جان لیوا مرض سے ہوئی جس کی تکلیف اس نے برداشت کی اور جامِ موت پینا گوارا کر لیا۔ لیکن اس بات کے لیے ہرگز تیار نہ ہوئی کہ ایک مسے نوش لیڈی ڈاکٹر اس کے جسم کو برائے تشخیص چھوئے۔ یہ لیڈی ڈاکٹر موسیٰ مارٹین کی رشتہ دار تھی۔ جسے انگریز ڈاکٹر کے کہنے پر بلوایا گیا تھا تا کہ وہ اورنگ زیب کی زوجہ کو دیکھ کر مریضہ کی بابت ڈاکٹر سے ساری حقیقتِ حال بیان کرے تاکہ اس کے مرض کا مناسب علاج معالجہ ہو سکے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

محمد اقبال سلیم گاہندری لکھتے ہیں کہ محمد ساقی کی مؤرخانہ بصیرت کا اندازہ اس امر سے کیا جا سکتا ہے کہ اس نے ہر واقعہ اور ہر فرد کے بارے میں جو تفصیلات پیش کی ہیں ان کو نہایت دیانت داری سے سپردِ قرطاس کیا ہے۔ اس نے اورنگ زیب کا نمک خوار ہوتے ہوئے بھی کسی واقعہ کو چھپایا گھٹایا یا بڑھایا نہیں، جو اورنگ زیب کی ذات سے متعلق ہو۔ اور یہی وجہ ہے کہ مآثرِ عالمگیری اورنگ زیب کے پچاس سالہ عہدِ حکومت کی جامع اور مستند تاریخ بن گئی ہے[1]

سر جدو ناتھ سرکار کا خیال ہے کہ اورنگ زیب کے وقائع نگاروں نے سرکاری مراسلوں اطلاع ناموں، جریدوں اور آمدو خرچ کے گوشواروں کی مدد سے جو موادِ علم مرتب کیا ہے وہ ہر لحاظ سے قابلِ اعتماد ہے[2]

ڈاکٹر وحید مرزا لکھتے ہیں " مآثرِ عالمگیری کو سنین کے حساب سے مرتب کیا گیا ہے اور صحت کا خاص اہتمام ملحوظ رکھا گیا ہے۔[3]

سید صباح الدین لکھتے ہیں " محمد ساقی مستعد خان نے مآثرِ عالمگیری لکھ کر عالمگیر کی پچاس سالہ حکومت کی مکمل تاریخ پیش کر دی ہے جو ۱۷۱۰ء میں یعنی عالمگیر کی وفات کے تین سال بعد ختم ہوئی۔ اس کتاب کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ طویل واقعات بہت ہی اختصار و جامعیت کے ساتھ لکھے گئے ہیں اور اس میں عالمگیر کی صحیح تصویر نظر آتی ہے[4]

لفٹیننٹ پرکنسن نے مآثرِ عالمگیری کا ترجمہ انگریزی میں کیا ہے جس کا ایک نسخہ برٹش میوزیم میں موجود ہے۔

---

[1] پیش لفظ ترجمہ مآثرِ عالمگیری

[2] اے شارٹ ہسٹری آف اورنگ زیب صہ

[3] تاریخ ادبیات مسلمانانِ پاکستان و ہند ص۵۳۰

[4] بزمِ تیموریہ ص۹۰ تا ۹۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اورنگ زیب عالمگیر

(رُقعاتِ عالمگیری)

خلد مکانی عالمگیر بادشاہ غازی امیر تیمور کے گیارھویں جانشین ہیں ۱۰۲۸ھ میں پیدا ہوئے شہنشاہِ عالمگیر نے ان کا نام اورنگ زیب رکھا۔ عالمگیر نامے کے مصنف محمد ساقی مستعد خان کے الفاظ میں "اورنگ زیب کو اس دور کے قابل ترین اساتذہ اور منبحر علماء نے زیورِ تعلیم سے آراستہ کیا۔ اسی لیے شہر موصوف تفسیر و حدیث و فقہ جیسے علومِ دینی میں یگانۂ عصر ہو گئے اپنے والد شاہ جہان کی زندگی میں ہی اپنے بھائیوں سے معرکہ آرائیوں کے بعد ۱۰۶۹ھ کو تختِ شاہی پر متمکن ہوئے۔ اورنگ زیب ابتدائے عمر سے ہی زہد و تقویٰ کی طرف مائل تھے انہوں نے فسق و فجور سے ہمیشہ اپنے دامن کو بچائے رکھا۔ حالانکہ ہندوستان جنت نشان کی وسیع سلطنت ان کے زیرِ فرمان تھی۔ ان کا دورِ حکومت خدمتِ دین، اشاعتِ اسلام، رعایا پروری، خوشحالی اور عدل گستری کے لحاظ سے اپنی مثال آپ ہے۔ ۱۱۱۸ھ میں پچاس برس حکومت کرنے کے بعد ان کی رُوح عالمِ بقا کی طرف پرواز کر گئی۔ اس وقت ان کی عمر نوے ۹۰ سال تھی۔ خافی خان نے منتخب اللباب میں کیا خوب لکھا ہے کہ "تیموری خاندان بلکہ دہلی کے شاہان سلف میں، سکندر لودھی کے بعد ایسا کوئی فرمانروا نہیں گذرا جو عبادت، ریاضت اور عدل گستری میں ممتاز مقام رکھتا ہو۔ مزید برآں شجاعت، بردباری اور اصابتِ رائے میں عالمگیر بے مثال تھا۔ شہ مذکور رات عموماً بیداری اور عبادت گذاری میں بسر کرتے تھے اور لذاتِ دنیوی سے کنارہ کش رہتے تھے۔"

رقعات کے مختلف مجموعے :-

عالمگیر کے رقعات کی کُل تعداد دو ہزار ہے۔ ان شاہانہ رقعات کے اوّلین مجموعے محمد صادق انبالوی، اور مولانا عنایت اللہ کے قلم سے ہیں جو "آدابِ عالمگیری" اور "احکامِ عالمگیری" کے نام سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

معروف ہیں) یہ دونوں محقق اورنگ زیب کے دربار کے دبیر تھے نیز اورنگ زیب کے مقرب خاص، راجہ جے سنگھ کے دیوان نے "دستور العمل آگہی" کے عنوان سے ان شاہی رقعات کو یکجا کر دیا تھا۔

عصر حاضر میں سید نجیب اشرف نے "مکاتیب عالمگیر" کے نام سے از سر نو ان رقعات کو کچھ اس انداز سے ترتیب دیا ہے کہ ان میں ایک تاریخی ربط و تسلسل پیدا ہو گیا ہے۔ چنانچہ ابتدائی رقعات، اورنگ زیب کے ایام شہزادگی اور نظامت ملتان کے دور سے تعلق رکھتے ہیں۔ بعد کے رقعات میں سفر دہلی کا بیان ہے جس میں راستے کے شہروں کے حالات بڑی خوبی سے مرقوم ہیں۔ پھر وہ رقعات درج ہیں جن میں صوبہ دکن کی آمد و خرچ، زمینداروں کی معاشی حالت اور موسموں کے لحاظ سے فصلوں کی کیفیت پر قلم اٹھایا گیا ہے۔ خصوصاً فوجی افسروں کی تنخواہوں، اور باغیوں کی شورشوں پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ ازاں بعد ایسے مکتوبات مندرج ہیں جو اورنگ زیب نے اپنے والد گرامی شاہجہان کی خدمت عالیہ میں روانہ کیے تھے۔ اس طرح ایام شہزادگی سے لے کر، عہد عالمگیری کے اختتام تک کے حالات اس مجموعے میں جمع ہو گئے ہیں۔ اور مرتب تاریخی سرمایۂ علم کی صورت اختیار کر گئے ہیں۔

شکایت آمیز مکتوب:۔ (والد گرامی کے نام)

اورنگ زیب کے مکاتیب سے اہم اقتباسات درج ذیل ہیں:۔

"یہ کہ ان دنوں حکومت اور سلطنت کے جملہ امور (ملکی و مالی) کے بندوبست میں شہزادۂ کلاں (دارا شکوہ) کے غلبے اور اقتدار کے جھنڈے تلے اتنے بلند ہو رہے ہیں کہ ان کے احاطۂ تحریر و تقریر سے باہر ہے"

اُس زمانے میں خاکسار نے ارشاد اقدس کے ماتحت بیجاپور پر چڑھائی کی ہوئی تھی۔ حضرت اقدس کی بیماری کی وحشتناک خبریں پھیل کر، دوستوں کے لیے حیرت اور پریشانی اور دشمنوں کی شرارت و سرکشی کا باعث بن رہی تھیں۔"

"اور جب محصورین گلبرگہ فتح مند لشکر کے جانبازوں کے ہاتھوں تنگ تھے، قریب تھا کہ شہر فتح ہو جائے، اس شہزادۂ کلاں نے اپنے ملازموں کو امرا تے بادشاہی کی واپسی اور حاکم

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

بیجاپور کی تسلی و دل جوئی کے لیے فرمان جاری کیا اور شاہی سرداروں کو پوری کوشش کے ساتھ گلبرگہ کے اطراف سے ہٹا کر اپنی طرف بلا لیا اس صورتِ حال نے مجھے کہیں کا نہ رکھا۔"

"اُس (دارا شکوہ) نے جسونت سنگھ کے ایک بڑے لشکر کو میرے مقابلے پر مامور کیا تاکہ وہ مختصر سی جاگیر جو آپ کی عنایت سے اس مرید باصفا کو ملی ہے جس طرح ممکن ہو ضبط کر لی جائے"

وہ (دارا شکوہ) عرض داشت پیش کرتا ہے آپ حکم نافذ فرما دیتے ہیں ان بے گناہوں کی حالت کی ہرگز تحقیق و جستجو نہیں فرماتے۔ چھوٹے بڑے سب امور کے بندوبست کی باگ ڈور اس کے قبضۂ اختیار میں دے دی گئی ہے۔"

تہدید آمیز مکتوب (والیٔ گولکنڈہ کے نام)

ایک مکتوب میں والیٔ گولکنڈہ کی کفر دوستی اور اسلام دشمنی کی یوں تصویر کشی فرماتے ہیں

"ملکی انتظام، ایک ظالم و فاجر کا تسلط، سادات و مشائخ، علماء و فضلا، صلحا و فقراء پر سختی، فسق و فجور کو فروغ دینے میں حد درجہ کوشش، شراب نوشی و بدمستی کے عالم میں کبیرہ گناہوں کا ارتکاب، کفر و اسلام، ظلم و انصاف، خیر و شر اور گمراہی و عبادت میں تمیز روا نہ رکھنا، حربی کافروں کی امداد سے (جسکی ممانعت نص قرآنی سے ثابت ہے)، خالق و مخلوق کے سامنے خود کو مطعون کرنا، اور ان تمام بداعمالیوں کے باوجود، غفلت کی شراب سے مغرور و بدمست ہو جانا، اپنے افعال کی پاداش سے غافل رہنا، اور دونوں جہانوں میں اُمید مغفرت رکھنا۔"

ع۔ زہے تصوّرِ باطل زہے خیالِ محال!

کتنی جامع فردِ جرم ہے! اور والیٔ گولکنڈہ کی تقصیرات کو کس خوبی سے بیان کیا گیا ہے؟

فرزندوں کے نام مکاتیب:۔

رقعاتِ عالمگیری سے بطور مشتے از خروارے یہاں چند جملے درج کیے جاتے ہیں جن سے شہزادہ اورنگ زیب کے اصولِ جہانبانی و جہانداری معلوم ہوتے ہیں

فرزندِ عالی جاہ! جس کسی کو جس کام کے لائق جانیں اس کے سپرد کریں۔ لوہار کو زرگری پر لگا دینا عقلمندی سے دُور ہے بڑوں کے کام چھوٹوں کے، اور چھوٹوں کے کام بڑوں کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

سپرد نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ بڑے تو چھوٹے کام کو باعثِ ننگ و عار سمجھیں گے اور چھوٹوں میں بڑوں کا کام کرنے کی استعداد پیدا نہ ہو گی اور اس طرح نظم حکومت مختل ہو جائے گا۔"

"ملازم پر کام کا بوجھ لادنا نہیں چاہیے اتنا ہی کام لو جتنا کام کوئی بہ سہولت انجام دے سکے"

"حکومتوں کی تباہی و بربادی، رشوت کے علاوہ سفارشوں کی بنا پر عمل میں آنے والی بے ضابطگیوں سے ظہور پذیر ہوتی ہے۔"

"ترقی تو حسنِ کارگذاری پر موقوف ہے۔ آپ کے سر میں لوگوں کو سفارش سے ترقی دینے کا سودا کب سے سما گیا ہے؟

"ظالم کو اختیارات دینا اور مظلوم سے انصاف نہ کرنا حقیقت میں خود ظلم کا مرتکب ہونا ہے۔"

"ظالم عملے کے گناہ ہمارے تمہارے نام لکھے جاتے ہیں۔"

"بہاول پور سے خجستہ بنیاد (دارالسلطنت) تک شاہراہوں پر راہ زنی کی وارداتیں رونما ہو رہی ہیں اور مسافر اطمینان سے سفر نہیں کر سکتے۔ ہمارے لشکروں کے قرب میں یہ حالت ہے تو پھر ان راستوں پر جو دور دراز واقع ہیں کیا کچھ نہ ہوتا ہو گا؟"

"جب کسی کو کوئی خدمت سپرد کی جائے تو خفیہ طور پر اس کے احوال کی نگرانی کرنی چاہیے کیونکہ ابن الوقت پہلے پہل حسنِ کارکردگی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ بعد میں اغراض نفسانی کی تکمیل میں مگن ہو جاتے ہیں۔"

فرزندانِ گرامی کے لیے نصائح:۔

اپنے ایک مکتوب میں اورنگ زیب نے اپنے ایک فرزندِ عالی جاہ کو یہ فقرے سعداللہ[1] کی بیاض سے نقل کر کے بھیجے۔

"سلطنت کے قیام و دوام کی بنیاد انصاف ہے۔"

"ملک شجاعت سے، اور مال سخاوت سے حاصل ہوتا ہے۔"

"علماء و فضلاء سے قرب دانش مندی کی علامت ہے۔"

"دینی عقائد پر عمل کرنا چاہیے اور مصائب میں ثابت قدم رہنا چاہیے۔"

"دنیوی امور کی انجام دہی میں کوتاہی نہ کرنا چاہیے۔"

---

[1] شاہجہان کا وزیر باتدبیر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

"اپنی تقدیر پر راضی برضا رہنا چاہیئے۔"

"یتیموں پر رحم کرنے سے خاندان پھلتا پھولتا ہے۔"

"محتاجوں کی حاجت روائی انسان کو محتاجی سے بچاتی ہے۔"

"انصرامِ مملکت میں وزراء سے صلاح و مشورہ لازم ہے۔"

"فتح و ظفر فقراء کی دعاؤں سے ہوتی ہے۔"

"بیماروں کی دستگیری سے تندرستی نصیب ہوتی ہے۔"

"مجرموں سے عفو و درگذر کی روش رحمتِ خداوندی کا وسیلہ ہے۔"

صاف ظاہر ہے کہ اورنگ زیب چاہتے تھے کہ ان کے بیٹے ان رہنما اصولوں کو اپناتے ہوئے اپنے اندر اوصافِ جہانبانی اور ملکاتِ جہاں آرائی پیدا کریں۔

اپنے ایک دوسرے مکتوب میں عالمگیر نے اعلیٰ حضرت شاہجہاں کی بیاض سے چند جملے نقل کر کے بھیجے:۔

"صحبتِ بد سے بچنا چاہیئے۔"

"مقصود کے حاصل ہونے پر رنجیدہ نہ ہونا چاہیئے۔"

"انتہائی ضرورت کے باوجود، دستِ سوال دراز نہ کرنا چاہیئے۔"

"اہل اللہ سے دوستانہ مراسم استوار رکھنا لازم ہے۔"

"جوہرِ قابل کی تلاش میں رہا جائے۔"

"جاہلوں کو اپنی مجلس میں نہ آنے دیا جائے۔"

"حقداروں کو سوال کرنے سے پہلے خیرات دی جائے۔"

"علماء و فضلا کی توقیر و تعظیم کی جائے۔"

"عدل و انصاف کی روش اپنائی جائے۔"

"بد عقیدہ لوگوں کے اقوال سے ہرگز رغبت نہ رکھی جائے۔"

"زاہدوں کے وجود کو غنیمت سمجھا جائے۔"

"دنیا و آخرت کے معاملات جاننے والوں کو مقرب بنایا جائے۔"

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اپنے ایک اور خط میں یہ حکمت آموز شعر درج فرماتے ہیں۔

؎ ہر یکے ناصح برائے دیگراں
ناصح خود یافتم کم در جہاں

یعنی ہر کوئی دوسروں کو نصیحت کرتا ہے اپنے آپ کو نصیحت کرنے والے کم ہی نظر آتے ہیں۔

تہدید آمیز نرم قصہ:۔

اورنگ زیب جہاں اپنے بیٹوں کو "فرزند ذی جاہ"، اور "فرزند عالی جاہ" کے پُروقار القاب سے نوازتا ہے، وہاں ان کی غلطیوں کا سختی سے محاسبہ کرتا ہے۔ چنانچہ محمد معظم کے نام مراسلہ میں یوں لکھتے ہیں:۔

"آپ نے اس سال جشنِ نوروز اہلِ ایران کے طریقے پر بڑے اہتمام سے منایا ہے۔ خدا کے فضل سے آپ کے عقاید درست ہیں۔ یہ تازہ بدعت آپ نے کس سے سیکھی ہے؟
چونکہ یہ دن مجوسیوں کی عیدوں میں سے ہے اور ہندوستان کے کفار کے نزدیک بکرماجیت کا روزِ جلوس اور بکرمی سمت (بکرمی سن) کا یومِ آغاز ہے اس لیے آئندہ ایسی جہالت کا ارتکاب نہ ہونے پائے۔"

رفاہِ عامہ کے کاموں میں دلچسپی:۔

یہاں ایک مکتوب سے اقتباس درج کیا جاتا ہے جس سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ اورنگ زیب کو تعمیراتی کاموں سے کتنا شغف تھا؟ چنانچہ اپنی بارگاہ کے ایک فدوی کو لکھتے ہیں۔

"اعلیٰ حضرت کو باغ حیات بخش کی تازگی و شادابی، دارالسلطنت کے مکانات کی آراستگی درختوں کی کانٹ چھانٹ، پھلوں کی نشوونما، حوضوں کی صفائی، نہروں اور درختوں کی دیکھ بھال کی طرف بڑی توجہ تھی۔ یہ مسافر (مکتوب نگار) بھی دارالخلافت میں قیام کے دوران میں ان تمام باتوں کی طرف توجہ دیتا تھا۔
اب تمہیں چاہیئے کہ خود ایک بار جاؤ اور پورے طور پر قلعے کی عمارات کی مرمت اور باغات کی پرداخت کا اہتمام کرو۔ قلعہ کے دوسرے باغات خصوصاً محسن خان کے قابلِ تحسین باغ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کے حالات بالتفصیل تحریر کرو۔ تاکہ شکست و ریخت کی تلافی کی جائے۔ صد افسوس! ہم نے دِل کے گلشن (خرابے) کی دیکھ بھال نہ کی اور عمر بچوں کی طرح لہو و لعب میں گذار دی۔

؎ افسوس کہ عمر رفت و ہوشیاری نیست
دردا! کہ امید سے خویشتن داری نیست

رقعات کا علمی مقام:۔

سرکاری وقائع نگار منشی محمد کاظم رقم طراز ہے۔

"نکتہ دانی، معنی شناسی اور مناسبتِ فطری اس پایہ کی ہے کہ نثر و انشا کے معنی طراز سخن سنج اور نکتہ پرداز، فصاحت پیشہ لوگ ان کی تعلیم و ارشاد کے فیض سے مستفید ہوتے ہیں کسی بلیغ منشی سے جب کوئی منشور لکھواتے ہیں تو مقصود کی تلقین اس حسن و خوبی سے فرماتے ہیں کہ اگر یہ منشی ان باتوں کو ذہن میں رکھ کر منشور لکھتے ہیں تو غور و فکر سے مستغنی رہتے ہیں۔ منشور کا مسودہ جب آپ کے مطالعہ میں آتا ہے تو قلم بدائع رقم ایسی اصلاحوں سے مزیّن کر دیتا ہے کہ ادیب دیکھتے ہی اپنے عجز و قصور کا معترف ہو کر ان سے سخن طرازی اور اسلوب و قواعد سیکھتا ہے"[1]

محمد ساقی مستعد خان لکھتا ہے "فن خوشنویسی کے علاوہ جہاں پناہ کو فن انشا میں خاص مہارت تھی اور نثر نگاری و انشا پردازی میں یدِ طولیٰ حاصل تھا۔ جہاں پناہ حقائق کو قالبِ نثر میں خوب ادا فرماتے ہیں"[2]

مولانا آزاد اپنے مخصوص انداز میں لکھتے ہیں۔ "عالمگیر نے دل معتدل اور زبان قادر البیان پائی تھی اس لیے اپنے فرمان اور خطوط آپ لکھتا تھا یا اپنے سامنے لکھواتا تھا۔ کاغذات پر احکام خود صادر فرماتا تھا۔ وہ پچاس برس حکمرانی کر کے فوت ہوا۔ اس کی تحریریں دیکھ کر تعجب آتا ہے کہ جس طرح اورنگِ سلطنت زیرِ قدم رکھتا تھا اسی طرح کشورِ سخن بھی زیرِ قلم! دیکھو اس کے

---

[1] عالمگیر نامہ ص ۱۰۹۵

[2] مآثر عالمگیری ص ۳۸۹

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

چھوٹے چھوٹے فقرے بھی ملک رانی کے پیچوں میں اُلجھے ہوئے ہیں۔ مگر عبارت صاف ہے اور لفظ لفظ میں محاورے کا نمک دیا ہوا ہے۔ تمام انتظامی ہدایتیں اور اکثر اخلاقی نصیحتیں ہیں کہ تاثیر کے رنگ میں ڈوبی ہوئی ہیں۔ اس کی تحریر کو گلستان سے تشبیہہ دوں تو مضائقہ نہیں اتنا فرق ہوگا کہ گلستان کے خیالی مضامین اور اس کی عالی عبارت جتنی پڑھنے میں سہل ہے اتنی ہی لکھنے میں دشوار![1]

علامہ شبلی نعمانی فرماتے ہیں "عالمگیر تیغ و قلم دونوں کا مالک تھا۔ اسکی انشاء پردازی کی داد مخالفوں تک نے دی ہے۔ اس کے رقعے باوجود اس کے واقعات کا ذخیرہ، قصہ طلب حوالوں کا مجموعہ اور جغرافیانہ اطلاعوں کی یادداشت ہیں تاہم ادائے مطلب کی قدرت، عبارت کی سادگی فقروں کی ہمواری، مطالب کا اختصار، پہلو بہ پہلو جملے، دل نشین ترکیبیں نہایت حیرت انگیز ہیں[2]

سید نجیب اشرف کی رائے ہے کہ اورنگ زیب کے خطوط گلہائے رنگا رنگ کا بہترین گلدستہ ہیں۔ کہیں ذاتی حالات کے متعلق اظہار خیال ہے تو کہیں سیاسی و معاشرتی واقعات پر تنقید ہے۔ کسی جگہ کسی شادی و ولادت کی خوشی ہے تو کہیں کسی موت کا غم! کسی جگہ کسی افسر کی سفارش ہے تو کہیں تنبیہہ۔ اگر ایک خط عمارتوں اور قلعوں کے مفصل حالات سے مملو ہے تو دوسرا باغوں اور چمنوں کی رنگین بیانی سے پُر۔ کہیں عتاب ہے تو کہیں عنایت کبھی گرمجوشی ہے تو کبھی سرد مہری، کبھی الزامات کی صفائی ہے تو کہیں دوسرے کے خلاف شکایت غرضیکہ وہ کونسی چیز ہے جو اس مجموعہ میں نہیں ہے۔ پھر وہ کونسی شے ہے جس میں حقیقت نگاری کے ساتھ کمال ادب کو جگہ نہیں دی گئی[3]

مرزا مقبول بیگ بدخشانی لکھتے ہیں۔ رقعات کے فقرے سادہ ہموار ہیں۔ ترکیبیں شگفتہ و مؤثر ہیں۔ عبارت عالمانہ پیرائے کی آئینہ دار ہے۔ ایجاز و اختصار بیان کو پُر زور اور معنی خیز بنا دیتا ہے جن سے عالمگیر کے حسن ذوق اور شعری مذاق کا پتہ چلتا ہے[4]

---

[1] نیرنگِ خیال
[2] مقدمہ رقعات عالمگیری ص۵۵
[3] تاریخ ادبیات ص۵
[4] مضامین عالمگیر ص۱۴۲

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

جدوناتھ سرکار لکھتا ہے۔ "جو رقعات انہوں نے لکھوائے ہیں ان کی تعداد دو ہزار کے لگ بھگ ہے۔ اورنگ زیب سیف و قلم دونوں کے دھنی تھے وہ اتنے ہی صاحبِ قلم تھے جتنے کہ صاحب سیف تھے!"[1]

عطاء اللہ صاحب پرنسپل اسلامیہ کالج چنیوٹ (جنہیں رقعاتِ عالمگیری کو اردو زبان کے قالب میں ڈھالنے کا شرف حاصل ہے) لکھتے ہیں۔

"عالمگیر ایک قادر الکلام انشا پرداز تھے۔ یوں تو ہر فقرہ، اور ہر فقرے کا ہر لفظ اپنی جگہ نگینے کی طرح جڑ دیا گیا ہے کہ اس کا بدل مشکل ہے لیکن بحیثیت مجموعی زبان کی چاشنی اور دل نشینی کی جتنی داد دی جائے۔ کم ہے۔"

---

[1] سٹڈیز ان مغل انڈیا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

محمد ہاشم علی خان

(منتخب اللُباب)

محمد ہاشم علی خان، جو خافی خان کے نام سے مشہور ہیں۔ خواجہ میر خافی کے صاحبزادے ہیں۔ محمد ہاشم شاہ جہان کے دربار میں معزز عہدوں پر تعینات رہے اور بحیثیت مؤرخ معروف ہوئے۔ محمد ہاشم ۱۰۷۲ھ میں پیدا ہوئے اور باکمال اساتذہ سے تعلیم پائی۔ جب فرخ سیر کا زمانۂ اقتدار آیا تو محمد ہاشم چاپانیر کے قلعہ دار تھے۔ ۱۱۲۴ھ میں دکن میں نظام الملک کے دیوان رہے۔ کچھ مدت بعد مصطفیٰ آباد کے امین اور فوجدار مقرر ہوئے۔ لیکن تادیران مناصب پر سرفراز نہ رہ سکے۔ انہوں نے "منتخب اللباب محمد شاہی" کی تدوین میں قریباً سولہ برس صرف کیے اور ۱۱۴۴ھ میں یہ یادگار تالیف چھوڑ کر راہی ملکِ عدم ہوئے۔

منتخب اللباب میں خافی خان نے بانی سلطنتِ مغلیہ سے لیکر آخری مغل تاجدار (محمد شاہ) تک سب کے حالات بڑے سلیقے سے بیان کیے ہیں۔ پہلی تین جلدوں میں مغل سلطنت کے دورِ عروج کا بیان ہے جبکہ چوتھی جلد اس سلطنت کے زوال کا عبرت آموز مرقع ہے۔ محمد ہاشم نے یہ تصنیف اورنگ زیب کے انتقال کے بعد لکھنا شروع کی جو محمد شاہ کے عہدِ حکومت میں پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ خافی خان رقم طراز ہے کہ اس نے سلطنتِ مغلیہ کے ترپن برس کے حالات ذاتی واقفیت اور منطقی چھان بین کے بعد درج کیے ہیں۔

جلد اوّل کی ابتداء میں دودمانِ چنگیزی اور خانوادۂ تیموری دونوں کا ذکر ہے جس سے بابر کا حسب ونسب واضح ہو جاتا ہے۔ مابعد بابر کے ہندوستان پر حملوں کے وجوہ بیان ہوتے ہیں۔ اسی زمانے میں ہندوستان سے مسلسل اطلاعات موصول ہونے لگیں کہ سلطان سکندر لودھی کا انتقال ہو چکا ہے۔ اس کی جگہ سلطان ابراہیم فرمانروا بن گیا ہے۔ جس کے بھائیوں اور امیروں کے درمیان حصولِ اقتدار کے لیے رسہ کشی ہو رہی ہے۔ ہندوستان کا نظم ونسق تباہ ہو چکا ہے۔ ان اطلاعات کے علاوہ نامور افغان امیر، دولت خان کا ایک اہم مراسلہ ظہیر الدین بابر کے نام آیا جس میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

سلطان ابراہیم کی بدعنوانیوں کا نقشہ بڑے موثر پیرائے میں کھینچا گیا تھا۔ اس نوع کی شکایات اور افغان امیر کا شکوہ آمیز مکتوب بابر کی ہندوستان پر فوج کشی کا سبب بن گئے۔

فاضل مؤرخ نے بابر کی فتوحات کے دوش بدوش اس کے ذاتی اوصاف بیان کیے ہیں اور عرب وعجم کے فرمانرواؤں میں اُسے عالی ظرفی، بردباری اور ہوشمندی کے لحاظ سے یکتا قرار دیا ہے۔ مزید برآں وہ بابر کے علمی کمالات کا بڑا مداح ہے۔ ہمایوں کے دور پر جامع تذکرہ لکھتے ہوئے اس نے بڑی عمدگی سے بحث کی ہے کہ کیونکر ہمایوں کے بھائیوں کی نااتفاقی شیر شاہ سوری کی فتح یابی کا زینہ بن گئی۔

گو خافی خان نے شیر شاہ سوری کے کردار کی عظمت کا فراخ دلی سے اعتراف نہیں کیا۔ لیکن پھر بھی وہ یہ تسلیم کیے بغیر نہیں رہ سکا کہ شیر خان اپنے قبیلے میں رائے و تدبیر میں یگانۂ روزگار تھا جس نے برصغیر پاک وہند میں ایک فلاحی ریاست عملاً قائم کر دکھائی۔ اس نے لکھا ہے کہ کیونکر شاہِ طہماسپ نے ہمایوں کی اہلِ بیت اطہار سے تعلقِ خاطر کو ملحوظ رکھتے ہوئے دس ہزار سواروں سے اس کی امداد کی۔

ہمایوں کے علمی اوصاف پر خافی خان نے مفصل بحث کی ہے اور ساتھ ہی یہ بتایا ہے کہ ہمایوں بے وضو ذاتِ حق کا نام اپنی زبان پر نہ لاتا تھا۔

عہدِ اکبری کے بارے میں محمد ہاشم نے بڑا محققانہ سرمایۂ معلومات فراہم کیا ہے۔ وہ اکبر کی مذہبی پالیسی کو نشانۂ تنقید نہیں بناتا۔ بلکہ اس فرمانروا کی بلند حوصلگی، عالی ظرفی، علم نوازی، علماء پروری اور فنونِ لطیفہ کی سرپرستی کے رویے کو سراہتا ہے۔ جہانگیر کے پچیس سالہ عہدِ حکومت پر اس نے بڑا زورِ قلم صرف کیا ہے۔ تاہم وہ اس تاجدار کی دو کمزوریوں کی نشاندہی کرتا ہے۔ ایک اس کی زوجہ نورجہاں۔ دوسرے کشمیر جنت نظیر کے دلکش مناظر۔

اس ضمن میں مہابت خان کی سازش، جہانگیر کی نظربندی نورجہاں کی ہوشمندی اور مہابت خان کے چنگل سے جہانگیر کی رہائی، سارے واقعات اس خوبصورتی سے بیان ہوئے ہیں کہ قاری کے دل میں ازخود مہابت خان سے نفرت کے جذبات سُلگنے لگتے ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

جلد دوم ۔ منتخب اللباب کی دوسری جلد دورِ شاہجہانی کے لیے وقف ہے ۔ خافی خان کے نزدیک یہ دور علوم وفنون کی ترقی ، رعایا کی خوشحالی ، صنعت وحرفت اور تجارت کی گرم بازاری کے لحاظ سے بے مثال تھا ۔ اگر عہدِ مغلیہ کا دورِ حکومت ایک انگوٹھی کے مثل ہے تو شاہ جہانی دور ایک بیش قیمت نگینے کی مانند ہے ۔ شاہجہان کے دینی کارناموں پر تفصیلی بحث کرتے ہوئے ۔ فاضل مورخ رقم طراز ہے کہ تخت نشینی کے پہلے سال ہی شاہ جہان نے غیر شرعی مراسم کی ادائیگی پر پابندی لگا دی مثلاً سجدۂ زمین بوس کی بجائے صرف چار مرتبہ تسلیمات بجالانے کو روا رکھا گیا ۔ سکوں پر کلمۂ توحید ثبت ہوا اور خلفائے راشدین کے اسمائے مبارکہ کندہ ہوئے ۔ اسی طرح جلوس شاہی کے نویں سال گولکنڈہ کے فرمانروا کو ایک تاکیدی مراسلہ ارسال ہوا کہ صحابہ کرام پر سب وشتم کرنیوالوں سے مؤاخذہ کیا جائے ۔

اس دور میں شہر موصوف نے ایک مرصع قندیل اور نقدی رقوم مکہ معظمہ بھجوائیں ۔

خافی خان نے اسی عہد میں انگریزوں کے قدم جمانے اور سر اٹھانے کا ذکر کیا ہے کہ کیونکر خشکی و دریا کے راستے ان کا محاصرہ کرکے ، شاہی افواج نے اُن کے قلعے کو مسمار کردیا اور اُن کا غرور خاک میں ملا دیا ۔ انگریزوں کی بدعنوانیوں اور چال بازیوں کے تذکرے کے دوش بدوش وہ ان کی عبادت گاہوں کی نفاست کا اعتراف کرتا ہے جو ہندوؤں کے بت خانوں کی نسبت زیادہ صاف ستھری اور اُجلی دکھائی دیتی ہیں ۔

محمد ہاشم نے دورِ شاہجہانی کے اولیائے کبار اور علمائے والا تبار کے سوانح حیات اور تبلیغی کارنامے بیان کیے ہیں ۔ جن میں سید محمد رضوی ، سید جلال گرامی ، سید محمد ، میاں میر ، ملّا بدخشی ، شیخ ناصر کے اسمائے گرامی قابلِ ذکر ہیں ۔ محمد ہاشم نے ہندوستان کے صوبوں کی جمع بندی کے اعداد وشمار (گوشواروں کی مدد سے) بیان کیے ہیں جس سے ہندوستان کے باشندوں کی معاشی خوشحالی اور حکومت کے خزانے کی معموری کا اندازہ ہوتا ہے ۔ چنانچہ وہ رقم طراز ہے ۔ کہ دہلی کی جمع بندی ایک ارب تھی اور آگرہ و لاہور کی جمع بندی نوّے کروڑ تھی ۔ غرضکہ اکیس صوبوں کی جمع بندی کے گوشوارے درج کرکے اس دور کے مالیاتی نظام کا صحیح نقشہ پیش کردیا گیا ہے ۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جلد سوئم میں ہاشم علی خان نے اورنگ زیب کے دورِ حکومت کے بارے میں یہ معذوری ظاہر کی ہے کہ شہِ موصوف نے آخری چالیس برس کے واقعات لکھنے سے منع کر دیا تھا اس لیے اس دور کے بارے اُسے مشکلات درپیش تھیں۔ تاہم اس نے قابل اعتماد بزرگوں سے معلومات حاصل کیں جن پر اس نے ذاتی مشاہدات و تجربات کا اضافہ کر دیا۔

فاضل مؤلف نے شاہ جہان کی نظر بندی، اورنگ زیب کی اپنے بھائیوں سے پنجہ آزمائی، فتح مندی اور تخت نشینی پر مفصل بحث کی ہے اور اورنگ زیب کی چند اصلاحات بیان کی ہیں مثلاً شمسی (اکبری) تقویم کی بجائے قمری (ہجری) تقویم کا اجراء۔ ملا عوض جیون کی محکمۂ احتساب پر مامور اور غیر شرعی محاصل کی معافی کا بیان وغیرہ۔

جلوس شاہی کے چوتھے سال میں آسام و بہار پر لشکر کشی کے مفصل تذکرے کے پہلو بہ پہلو ان علاقوں کے ہندو راجاؤں کی لڑائیوں وہاں کے جغرافیائی ماحول، آب و ہوا پھل پھول اور وہاں کے باشندوں کے اخلاق و کردار کا دلچسپ تذکرہ ہے۔ سیواجی کی چال بازیوں فتنہ پردازیوں اور وعدہ خلافیوں کے بالمقابل عالمگیر کی عالی ظرفی اور کرم گستری کا بیان ہے۔ نیز مرہٹوں کی شورش پسندی، لوٹ مار، غارتگری اور شاہی افواج کی کامرانی کا بیان بڑا ایمان افروز ہے۔ عالمگیر کی وفات پر فاضل مؤرخ کے قلم سے یہ جملے ادا ہوئے ہیں "تیموری خاندان بلکہ دہلی کے شاہانِ سلف میں سکندر لودھی کے بعد ایسا کوئی حکمران نہیں گذرا جو عبادت ریاضت اور عدالت میں ایسا مقام رکھتا ہو! شجاعت، بردباری، اصابت رائے اور حوصلہ مندی میں یہ فرمانروا اپنی مثال آپ ہے۔ شب بیداری اور دنیا سے بے نیازی شاہ ذی جاہ کے اوصاف محمودہ ہیں۔

جلد چہارم۔ محمد ہاشم علی خان نے آخری جلد میں سلطنتِ مغلیہ کے زوال کے اسباب کی اشارے کنائے میں نشاندہی کر دی ہے۔

(۱) اورنگ زیب کے بیٹوں میں اقتدار کی جنگ، خصوصاً شاہ عالم اور اعظم شاہ میں معرکہ آرائی کے تذکرے میں کنایہ ہے کہ تیموری شاہزادوں میں اقتدار کے لیے رسہ کشی اس خانوادے کے زوال کا سامان بنی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

(۲) بہادر شاہ نے مسندِ اقتدار پر بیٹھنے کے بعد عطیات سے نوازنے میں اس قدر دریا دلی سے کام لیا کہ جملۃ الملک (وزیر مالیات) یہ کہنے پر مجبور ہوا۔ "شہنشاہ کے بے پناہ جود و سخا کے لیے تو ہفت اقلیم کے مال و متاع بھی کافی نہیں ہو سکتے" دوسری طرف شہر مازکور نے امورِ سلطنت سے اتنی لاپرواہی برتی کہ بعض زندہ دل اور شوخ چشم لوگوں نے "شہ بے خبر" سے اس کے جلوس سلطنت کی تاریخ نکالی۔ اس روایت سے واضح ہوتا ہے کہ بادشاہوں کی شہ خرچی اور امورِ سلطنت سے لاپرواہی کا انجام کتنا عبرتناک ہوتا ہے۔!

(۳) بہادر شاہ کے بیٹے جہاندار شاہ کی تخت نشینی، اسکی محبوبہ لعل کنور کا عروج، سازندوں مسخروں اور گویوں کی دربارِ شاہی میں رسائی! یہ علامات اشارہ کر رہی تھیں کہ سلطنتِ مغلیہ کا آفتابِ اقبال ڈوبنے کو ہے

(۴) گو عالمگیر کے تیسرے جانشین محمد فرخ سیر نے ساداتِ بارھہ کی دست درازیوں سے سلطنتِ مغلیہ کو بچانے کی تدبیر کی۔ لیکن وہ درباری سازشوں کا شکار ہو گیا۔ اسی زمانے میں ہندو مسلم نزاع برپا ہوا اور شیعہ سنی کے مابین فساد کی آگ روشن ہوئی جس سے مغل سلطنت کی بنیادیں ہل گئیں۔ اسی دور میں سکھوں کی شورشیں اور مرہٹوں کی بغاوتیں شروع ہوئیں جنہوں نے تیموری خاندان کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔

(۵) ابوالبرکات رفیع الدرجات اور رفیع الدولہ یہ فرمانروا سادات بارھہ کے زیرِ اثر رہے اور جب سید برادران نے بغاوت کی راہ اختیار کی تو نظام الملک کے ساتھیوں نے اُن کی قوت کو فنا کر دیا۔ آخر میں محمد شاہ نے مغلیہ سلطنت کے قصر کی گرتی ہوئی دیوار کو سنبھالنے کی کوشش کی۔ لیکن نادر شاہی حملے سے اس کی کمر ہمت ٹوٹ گئی اور مغلیہ سلطنت کی شوکت و سطوت کا چراغ گل ہو گیا۔

علمی منزلت ۔ اس محققانہ تالیف کے بارے میں محمد اقبال سلیم گاھندی لکھتے ہیں: "چونکہ وہ ان واقعات کا عینی شاہد ہے اس لیے اس نے جو تفصیلات اپنی تصنیف میں درج کی ہیں اور دوسرے مؤرخین کے ہاں نہیں ملتیں"[1]

---

[1] حرفِ آغاز: ترجمہ منتخب اللباب

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

خواجہ عبدالحمید یزدانی لکھتے ہیں "کتاب کا انداز تحریر سادہ ہے جسے جا بجا اشعار سے آراستہ کیا گیا ہے"[1]

جی ایم رسول رقم طراز ہیں: یہ تصنیف اکبر نامے کی طرح قصیدہ نگاری کے اسلوب پر نہیں لکھی گئی بلکہ اورنگ زیب کے کردار اور نظم و نسق پر ناقدانہ انداز سے بحث کی گئی ہے۔ نہ اورنگ زیب کی حکمت عملی کے معائب کو چھپایا ہے اور نہ اس کے سیاسی حریفوں کے اوصاف کو گھٹایا ہے۔[2]

جدوناتھ سرکار خافی خان اور دوسرے معاصر مورخوں کے بارے لکھتا ہے "اگرچہ یہ مواد سرکاری وقائع نگاروں نے مرتب کیا ہے لیکن وہ تمام حقائق قلم بند کیے گئے ہیں جو بالعموم سرکاری مؤرخ بر بنائے مصلحت اپنی تصانیف میں درج نہیں کرتے"[3]

ایلیٹ اور ڈاؤسن نے اس تالیف کے جستہ جستہ اجزاء کا ترجمہ کیا ہے۔

مستشرقین کا مغالطہ:۔

بعض مستشرقین نے یہ غلط فہمی پھیلانے کی تدبیر کی ہے کہ اورنگ زیب نے اپنے عہد میں تاریخ کی کتابیں لکھنے کی ممانعت کر دی تھی۔ لیکن محمد ہاشم علی خان خفیہ طور پر اپنی تاریخ "منتخب اللباب" مرتب کرتا رہا۔ اور جب محمد شاہ کا دورِ حکومت آیا تو فاضل مصنف اپنی محققانہ تصنیف منظرِ عام پر لے آیا اور خافی خان کا لقب پایا۔ لیکن یہ دعویٰ نادرست اور ناقابلِ اعتبار ہے۔

اوّلاً۔ اربابِ نظر جانتے ہیں کہ محمد ہاشم علی خان کو خافی خان کا لقب اس لیے دیا گیا تھا کہ وہ خراسان کے مشہور شہر خواف کا باشندہ تھا۔

ثانیاً۔ فاضل مصنف نے خود اپنی تالیف کے دیباچے میں تصریح کی ہے کہ اس نے

---

[1] تاریخ ادبیات

[2] مسلم ہسٹوریوگرافی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اورنگ زیب کی وفات کے بعد یہ تالیف مرتب کرنا شروع کی۔

ثالثاً۔ فاضل مصنف نے اپنی تصنیف میں متعدد مقامات پر اورنگ زیب کے لیے خلد مکانی کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ جس سے اس نقطۂ نظر کو تقویت پہنچتی ہے کہ محمد ہاشم علی خان نے اورنگ زیب کی وفات کے بعد ہی "منتخب اللباب" کو مرتب و مدوّن کیا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

غلام حسین طباطبائی

(سیر المتاخرین)

غلام حسین طباطبائی صوبۂ بنگال کے مشہور عالم سید علم الدین کے پوتے اور روہیل کھنڈ و بنگال کے صوبیدار کے نائب سید ہدایت علی خان کے صاحبزادے ہیں۔ غلام حسین طباطبائی میر قاسم علی خان کے سفیر تھے۔ مگر بدقسمتی سے انہوں نے غیر ملکی غاصبوں یعنی انگریزوں سے ساز باز کر لی اور ان کی ملازمت بھی اختیار کر لی۔ ادھر سراج الدولہ نے اُن پر بڑے احسانات کیے تھے۔ لیکن غلام طباطبائی نے محسن کُشی کا رول ادا کیا۔ اپنی تصنیف میں بھی انہوں نے دیانتداری سے کام نہیں لیا۔ اس لیے قاری کے لیے لازم ہے کہ ان کی تصنیف کا مطالعہ کرتے وقت ذہنی طور پر چوکنا اور محتاط رہے۔

جلد اوّل۔ غلام حسین کی تالیف کے دو حصّے ہیں۔ پہلے حصّے میں قدیم ہندوستان کی تاریخ ہے لیکن اس کا سارا مواد سرقہ ہے۔ مصنف مدّعی ہے کہ اس نے اپنی تصنیف کا یہ حصّہ سنسکرت کی کتابوں سے اخذ کیا ہے۔ جو عہدِ اکبری میں فارسی زبان میں منتقل ہوتیں۔ لیکن اہلِ نظر جانتے ہیں کہ یہ خلاصۃ التواریخ از سجان رائے بھنڈاری کی کتاب کا چربہ ہے[1] (جو کسی گمنام مصنف کی معرکۃ الآرا تصنیف "مختصر التواریخ" سے ماخوذ و مستعار ہے) اگر فاضل مؤلف نے مستعار ملبوسات سے ہزار پیوندی قبا تیار کی ہوتی تو بھی وہ لائقِ توجہ نہ ہوتی۔ لیکن جو مواد اس نے صدفی صد سرقہ کیا ہے اس کے حسن و قبح پر کیا تبصرہ کیا جا سکتا ہے؟

جلد دوم۔ البتہ دوسری جلد فاضل مصنف کے ذاتی مشاہدات و معلومات کا ثمرہ ہے اس لیے ہم اُسی کے مضامین کو زیرِ بحث لائیں گے۔

---

[1] بقول چودھری نبی احمد سندھیلوی "سیر المتاخرین" کا حصّہ اوّل "خلاصۃ التواریخ" مصنفہ سجان رائے پوری کی بجنسہٖ نقل ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

فاضل مصنف نے تمہید یوں باندھی ہے کہ شہنشاہِ عالم گیر کی شمع حیات گل ہوتے ہی اس کے تینوں فرزندوں معظم شاہ بہادر، اعظم شاہ اور کام بخش میں مسندِ اقتدار کے لیے جنگ و جدال کا سلسلہ چل نکلا۔ جس کے سبب سلطنتِ مغلیہ کے اقبال کی دھجیاں ہوا میں اڑنے لگیں اور یکے بعد دیگرے مختلف صوبے (بہار، بنگال، اڑیسہ) خود مختار ہوتے چلے گئے۔ مرہٹوں نے گجرات، مالوہ اور بندیل کھنڈ کے بعض حصّوں پر قبضہ جما لیا۔ روہیلوں نے دوآبہ میں خود مختاری اختیار کر لی۔ سکھوں نے پنجاب میں لوٹ مار کا بازار گرم کیے رکھا۔ غرض کہ غلام حسین طباطبائی نے اپنی اس تصنیف میں سلطنتِ مغلیہ کے زوال کی جامع تاریخ قلم بند کر دی ہے۔

پہلے باب میں غلام حسین اس دور کے حالات کی عکاسی و ترجمانی یوں کرتا ہے کہ کس طرح اورنگ زیب کے بیٹوں کی تلواریں بے نیام ہوئیں؟ کس قدر خون خرابہ ہوا معظم شاہ نے برسرِ اقتدار آتے ہی فرقہ امامیہ کو فروغ دیا اور عوام پر جبراً مسلط کرنے کی تدبیر کی لیکن عوام نے اسکے جبر و اکراہ کے ناپسندیدہ منصوبے کو ناکام بنا دیا۔ اس نے خجستہ اختر جہاں شاہ اور معز الدین جہاندار دونوں کی اقتدار کے لیے جنگ کا بڑی خوبی سے نقشہ کھینچا ہے اور واضح کیا ہے کہ جب معز الدین جہاں کے کامرانی نے قدم چومے تو اس نے نشۂ اقتدار سے بدمست ہو کر اپنے مقربین پر اعزاز و اکرام کی اتنی بارش کی کہ خزانۂ عامرہ خالی ہو گیا اور افواج کی تنخواہ کی ادائیگی تک مشکل ہو گئی اس حصّے میں امیر اسد خان کے نام مکتوب کا یہ جملہ معنی خیز ہے۔ "مجھے قوی اندیشہ ہے کہ اگر امرائے مملکت میں انتشار و نزاع کی گرم بازاری رہی تو سلطنتِ تیموریہ تباہی کے گڑھے میں جا گرے گی اس باب کے اختتام پر سکھ مذہب کا مکمل تعارف پیش کیا گیا ہے کہ کیونکر اس فرقے نے فقیرانہ طرزِ زندگی سے لے کر سپاہیانہ طرزِ حیات کے مراحل طے کیے خصوصاً اس فرقے کے بانی مبانی گرو نانک سنگھ کے سوانح حیات بڑی عمدگی سے قلم بند کیے گئے ہیں۔ اس نے یہ بھی بتایا ہے کہ سکھ راہنما تیغ بہادر اور بندہ بیراگی نے مسلمانوں پر کتنے انسانیت سوز اور روح فرسا مظالم ڈھائے۔ لیکن مکافاتِ عمل کے قانون کے تحت کیفر کردار کو پہنچے۔

دوسرے باب میں امیر الامراء، امراء اور فرخ سیر ان تینوں عناصر کے درمیان اقتدار کے لیے رشہ کشی کا نقشہ پیش کیا گیا ہے جو فرخ سیر کی ہلاکت پر منتج ہوا۔ خصوصاً سادات بارہہ کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

بارے میں اس نے بڑی تفصیل سے لکھا ہے کہ سلطنتِ مغلیہ کے یہ ستون کیونکر اپنے مقام رفیع سے گر گئے۔

تیسرے باب میں غلام حسین طباطبائی نے صوبہ بنگال میں شجاع الدولہ کی صوبیداری کے کوائف پر قلم اُٹھایا ہے۔ اس ضمن میں وہ لکھتا ہے کہ شجاع الدولہ نے بے قصور زمینداروں اور بے گناہ مالگذاروں کو قید بند سے رہا کر دیا۔ اُس کے دورِ اقتدار میں ہر چیز کی فراوانی تھی۔ اور ہر فرد کو سکون نصیب تھا۔ شجاع الدولہ کی مجلسِ مشاورت میں محمد علی وردی خان، حاجی احمد رائے رایاں، عالم چند، جگت سنگھ اور فتح چند جیسے صائب الرائے اور ہوشمند افراد شامل تھے

چوتھے باب میں غلام حسین طباطبائی نے نادر شاہ کے طوفانی حملے، خان دوران کی شکست اور نادر شاہ نے محمد شاہ کے تاریخی سمجھوتے کی تصویر کھینچی ہے۔ خصوصاً جس وجہ سے نادر شاہ نے قتل عام کا حکم دیا تھا اس کی نشان دہی کی ہے۔ غلام حسین نے اس ناٹک کا ڈراپ سین بھی دکھایا ہے جس میں نادر شاہ نے محمد شاہ اور دوسرے ملکی اُمراء کو خلعتوں سے نوازا اور "تاج ہند" محمد شاہ کے سر پر رکھ کر اپنے وطن کی راہ لی۔ نادر شاہ کا سرزمین ہند پر حملہ اپنے اندر عبرتوں کی ایک دل خراش داستان لیے ہُوئے ہے۔

پانچویں باب میں فاضل مؤرخ رقم طراز ہے کہ کیونکر علی وردی خان نے عروج حاصل کیا اور بنگال میں شجاع الدولہ اور سرفراز خان کے جمع شدہ خزانوں پر تصرف کیا۔ پھر وہ علی وردی خان اور مرہٹوں کی باہمی معرکہ آرائیوں کی تصویر کشی کرتا ہے اور دکھاتا ہے کہ مرہٹوں نے اتنی قوت پکڑ لی کہ علی وردی خان اہانت آمیز شرائط پر سمجھوتے کے لیے رضامند ہو گیا۔ لیکن مرہٹوں کے راہنما بھاسکر نے سمجھوتے سے انکار کر دیا۔ ان حالات میں علی وردی خان نے محمد شاہ تیموری فرمانروا سے امداد کی درخواست کی جو قبول ہوئی۔ مرکز اور صوبے کی افواج نے مل کر مرہٹوں کو پے در پے شکستیں دیں اور بھاسکر کو مفرور ہونا پڑا۔

اسی باب کے آخر میں یہ تلخ حقیقت مذکور ہے کہ علی وردی خان کو اپنے غیر ملکی دشمنوں سے نجات مل گئی لیکن مصطفےٰ خان، افغان سردار نے اُسے چین نہ لینے دیا۔ وُہ مصر تھا کہ اُسے عظیم آباد کا صوبے دار بنایا جائے اور جب اس کا یہ مطالبہ مسترد ہو گیا تو اس نے صُوبہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اڑلیسہ کی راہ لی تاکہ علی وردی خان کے داماد سے اس کا منصب بزور قوت چھین لے۔ علی وردی خان کے داماد نے خندقیں کھود کر دفاع کیا۔ آخر دست بدست جنگ میں مصطفےٰ خان، زین الدین کے ہاتھوں زخمی ہو کر فرار ہو گیا اور اس نے رگھوجی بھونسلہ کو بنگال پر حملہ کرنے کے لیے اکسایا ازاں بعد مصطفےٰ خان اور زین الدین دونوں میں معرکہ آرائی ہوئی اور مصطفےٰ خان قتل ہوئے یوں بھونسلہ رگھوجی میدان کارزار میں یکہ و تنہا رہ گیا اور اس کے حوصلے پست ہو گئے۔

علمی مرتبہ

سیر المتاخرین کے علمی مرتبے کے بارے میں چند ارباب قلم کی آراء درج ذیل ہیں۔

محمد اقبال سلیم گاھندری لکھتے ہیں۔ سیر المتاخرین صحیح حقائق پر مبنی زوال سلطنت مغلیہ کی بیش قیمت تاریخی دستاویز ہے[1]

چودھری نبی احمد فرماتے ہیں۔ "سیر المتاخرین کے انگریز مصنف مداح ہیں۔ انگریزوں کی متعدد تاریخی کتابوں کا مصدر و ماخذ یہی تصنیف ہے[2]

پروفیسر ایم جی رسول کا ارشاد ہے "غلام حسین کا کردار بھی مشکوک ہے اور اس کے بیانات کی صحت بھی! اس کی تصنیف جانبداری اور گروہی عصبیت کی وجہ سے عیب دار ہے[3]

ڈاکٹر وحید مرزا رقم طراز ہیں "اور یہ حقیقت ہے کہ مغلیہ سلطنت کے آخری دور میں سیر المتاخرین ایک ایسی کڑی ہے جس کے بغیر اس زمانے کی تاریخ غیر مربوط اور نامکمل رہتی ہے[4] نیز اس میں کوئی شبہ نہیں کہ متاخر مغل بادشاہوں کے بارے میں یہ ایک مستند تصنیف ہے اور زمانہ حال کے مشرقی و مغربی تاریخ نگار اس سے بہت زیادہ استفادہ کرتے رہے ہیں۔

ایک انگریز محقق کا قول ہے کہ یہ تصنیف یورپ کے بعض بڑے مورخین مثلاً لارڈ

---

[1] اردو ترجمہ سیر المتاخرین ص۴

[2] تذکرہ مورخین

[3] مسلم ہسٹریوگرافی ص۱۰۶

[4] تاریخ ادبیات پاکستان ص۱۵۹

[5] ایضاً // // ص۱۵۷

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کلیر نڈن (انگریز مورخ) ڈک سیلی (فرانسیسی مورخ) اور بشپ برنٹ (سالبری کے مورخ) کے لیے بھی قابلِ فخر ہو سکتی ہے۔

جے برگس اس تالیف کے انگریزی ترجمے کے افتتاحیے میں لکھتے ہیں "یہ تالیف مرہٹوں کی شوریدہ سری اور مغلیہ سلطنت کی بربادی کے بارے میں آئینۂ عبرت ہے اور ہمیں اس زینے تک پہنچا دیتی ہے جہاں سے بنگال اور اقلیم ہند پر انگریزوں کے غلبے اور تسلط کی ابتدا ہوئی۔

ایلیٹ نے سیر المتاخرین کو نہایت کارآمد اور بیش قیمت تصنیف قرار دیا ہے۔

ایم ریمنڈ نے یہ کلمۂ تعجب لکھا ہے۔" انگریزی سیاسیات پر ایسا محققانہ و فاضلانہ تبصرہ!"

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ضمیمہ

(الجزء الاوّل)

	نام مؤرخ	تالیف	سنِ تکمیل
۱	محمد علی بن حامد کوفی	فتح نامہ	۶۱۳ھ
۲	حسن نظامی	تاج المآثر	۶۲۶ھ
۳	سدید الدین عوفی	جامع الحکایات	۶۲۵ھ
۴	قاضی منہاج الدین سراج	طبقاتِ ناصری	۶۵۸ھ
۵	امیر خسرو	قران السعدین	۶۸۸ھ
	〃	مفتاح الفتوح	۶۸۹ھ
	〃	دیول رانی خضر خان	۷۱۵ھ
	〃	مثنوی نُہ سپہر	۷۱۸ھ
	〃	تغلق نامہ	۷۲۰ھ
۶	ابن بطوطہ	تحفۃ النظار	۷۵۶ھ
۷	ضیاء الدین برنی	تاریخ فیروز شاہی	۷۵۸ھ
۸	علامہ شمس سراج عفیف	تاریخ فیروز شاہی	۷۵۸ھ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ضمیمہ

(الجزء الثانی)

	نام مورخ	تالیف	سن تکمیل
۱	ظہیر الدین محمد بابر	واقعات بابری	محرم ۹۳۶ھ
۲	غیاث الدین خواندمیر	قانون ہمایونی	۹۴۲ھ
۳	جوہر آفتابچی	تذکرۃ الواقعات	۹۹۵ھ
۴	شہزادی گلبدن بیگم	ہمایوں نامہ، یا گلبدن نامہ	۱۰۱۴ھ
۵	ابوالفضل	آئین اکبری	۱۰۰۴ھ
۶	علامہ احمد ٹھٹھوی (وغیرہ)	تاریخ الفی	۱۰۰۴ھ
۷	شیخ عبدالقادر بدایونی	منتخب التواریخ	۱۰۰۴ھ
۸	محمد قاسم فرشتہ	گلشن ابراہیمی	۱۰۱۵ھ
۹	ملا عبدالباقی	ماثر رحیمی	۱۰۲۵ھ
۱۰	نورالدین جہانگیر	توزک جہانگیری	۱۰۳۷ھ
۱۱	میرزا محمد شریف	اقبال نامہ جہانگیری	۱۰۲۹ھ
۱۲	عبدالحمید لاہوری	بادشاہ نامہ	۱۰۳۷ھ
۱۳	مولوی محمد صالح کنبوہ	عمل صالح	۱۰۷۰ھ
۱۴	منشی محمد کاظم	عالمگیر نامہ	۱۰۹۲ھ
۱۵	محمد ساقی مستعد خان	ماثر عالمگیری	۱۱۲۲ھ
۱۶	اورنگ زیب عالمگیر	رقعات عالمگیری	۱۱۱۸ھ
۱۷	محمد ہاشم علی خان	منتخب اللباب	۱۱۳۰ھ
۱۸	غلام حسین طباطبائی	سیر المتاخرین	رمضان ۱۱۹۵ھ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مآخذ و منابع

۱	واقعاتِ بابری	ظہیر الدین محمد بابر
۲	قانونِ ہمایونی	غیاث الدین خواند میر
۳	تذکرۃ الواقعات	جوہر آفتابچی
۴	ہمایوں نامہ یا گلبدن نامہ	شہزادی گلبدن بیگم
۵	آئینِ اکبری	ابوالفضل
۶	تاریخِ الفی	ملا احمد ٹھٹھوی (وغیرہ)
۷	منتخب التواریخ	شیخ عبدالقادر بدایونی
۸	گلشنِ ابراہیمی	محمد قاسم فرشتہ
۹	مآثرِ رحیمی	ملا عبدالباقی
۱۰	توزک جہانگیری	نورالدین جہانگیر
۱۱	اقبال نامہ جہانگیری	میرزا محمد شریف
۱۲	بادشاہ نامہ	عبدالحمید لاہوری
۱۳	عملِ صالح	مولوی محمد صالح کنبوہ
۱۴	عالمگیر نامہ	منشی محمد کاظم
۱۵	مآثرِ عالمگیری	محمد ساقی مستعد خان
۱۶	رقعاتِ عالمگیری	اورنگ زیب عالمگیر
۱۷	منتخب اللباب	محمد ہاشم علی خان
۱۸	سیر المتاخرین	غلام حسین طباطبائی
۱۹	بزمِ مملوکیہ	سید صباح الدین
۲۰	بزمِ تیموریہ	〃

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

۲۱	شعرالعجم	علامہ شبلی نعمانی
۲۲	مقالاتِ شبلی	〃
۲۳	دربارِ اکبری	محمد حسین آزاد
۲۴	دربارِ ملّی	شیخ محمد اکرام، ڈاکٹر وحید قریشی
۲۵	تذکرۂ مؤرخین	چوہدری نبی احمد سندھیلوی
۲۶	تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند جلد اوّل	مدیرِ خصوصی ڈاکٹر محمد باقر
۲۷	تاریخ ادبیات مسلمانانِ پاکستان و ہند (جلد دوم)	مدیرِ خصوصی پروفیسر مقبول بیگ بدخشانی
۲۸	تاریخ فیروز شاہی، مؤلفہ ضیاء الدین برنی	مترجم ڈاکٹر معین الحق
۲۹	تاریخ فیروز شاہی مولفہ شمس سراج عفیف	مترجم
۳۰	جزو طبقاتِ ناصری	مرتبہ ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی
۳۱	توزک بابری	مترجم رشید اختر ندوی
۳۲	ہمایوں نامہ	〃
۳۳	تذکرۃ الواقعات	مترجم احمد دین احمد
۳۴	تذکرۃ الواقعات	مترجم ڈاکٹر معین الحق
۳۵	معاشری و علمی تاریخ	〃
۳۶	توزک جہانگیری	مترجم رشید اختر ندوی
۳۷	تاریخ فرشتہ	مترجم عبدالحی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

۳۸ شاہ جہان نامہ (جلد اوّل)
۳۹ شاہ جہان نامہ (جلد دوئم، سوئم)
۴۰ مجلّہ عالمگیر نمبر

ڈاکٹر ناظر حسن زیدی

نگرانِ اعلیٰ عطاء اللہ پرنسپل
گورنمنٹ اسلامیہ کالج چنیوٹ

www.kitabosunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

مُسلمان تاریخ نویس

پروفیسر سعید اختر صاحب کا شمار ملک بھر کے مقتدر مُصنّفوں اور بلند پایہ نثر نگاروں میں ہوتا ہے۔ اگرچہ اِس مرتبہ "سرمایۂ تاریخ" پیش کرنے کا شرف "ڈوگر سنز، ۱۷- اُردُو بازار، لاہور" حاصل کر رہے ہیں جس میں برصغیر پاک و ہند کے عظیم مؤرخین کی علمی خدمات اور سوانح حیات زینتِ قرطاس ہیں، لیکن اس سے پہلے ہمارا مکتبہ ان کی بلند پایہ تالیف "مسلمان تاریخ نویس" شائع کر چکا ہے جس میں ایک ہزار برس کے جلیل القدر مؤرخین کے سوانح، اُن کے احوال و کوائف پر سیر حاصل تبصرہ کیا گیا تھا۔ پروفیسر موصوف کی ہر دو تصانیف بلا مبالغہ آسمان علم و فضل پر آفتاب و ماہتاب کی مانند درخشان و ضوفشان رہیں گی۔

المشتہر

قومی کتب خانہ ○ لاہور